حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

زیرِ انتظام
جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ
زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536
Website: www.sibtain.com Emails: smi51214@gmail.com Sultanulmadarisislamia@gm

خصوصی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

جلد ۱۸ جنوری فروری سنہ ۲۰۱۴ء شمارہ ۱ و ۲

مُدیر اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان
مُدیر: گلزار حسین محمدی
پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان
مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰
مقامِ اِشاعت: جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا
کمپوزنگ: الخط کمپیوٹرز 0307-6719282
فون: 048-3021536

زرِ تعاون 300 رُوپے
لائف ممبر 5000 رُوپے

فہرست مضامین

اداریہ

سالِ نو عیسوی مبارک

۲۰۱۳ء مختلف مسائل و مُشکلات بکھیر کر رخصت ہوا۔ پاکستانی قوم دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا شکار رہی عالم اسلام انتشار و اختلاف کے سبب زبوں حالی اور عالمی طاغوتی طاقتوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا۔ اسلامی ممالک کے حکمران اپنا اقتدار بچانے کے درپے رہے۔ اہل پاکستان نے انتخابات میں تبدیلی کا رُخ کیا اور مسلم لیگ (ن) برسر اقتدار آئی۔ حسب معمول اس حکومت نے بلند بانگ دعوے کیے مگر تاحال دہشت گردی مہنگائی اور بیروزگاری کا جن پاکستانی عوام پر سوار ہے۔ امن و امان کی صورت حال تشویش ناک حد تک خراب ہو چکی ہے۔ ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ شیعیانِ پاکستان کو چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ کراچی شہر روزانہ لاشیں در لاشیں کا سماں پیش کر رہا ہے۔ حالات کی تبدیلی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی اور وطن عزیز کی بنیادیں ہل کر رہ گئی ہیں۔ عالم اسلام انتہائی درد و کرب میں مبتلا ہے۔ یہ سب کچھ مُسلمانوں کے خلفشار کا نتیجہ ہے۔ پاکستانی قوم گزشتہ واقعات سے سبق حاصل کر کے نئے عزم اور ولولہ سے اخوت محبت اور بھائی چارے کے جذبات عام کرنے کے عملی اقدامات پر توجہ دے اور صاحبانِ اقتدار اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے مصلحت اور قول و فعل کے تضاد کو ختم کر کے اصلاحِ احوال کی طرف قدم بڑھائیں۔ حکومتی اداروں کی کارکردگی جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے، بہتر سے بہتر تر بنائی جائے۔ اسلامی طرزِ حکمرانی یعنی خدا و رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق حکمرانی کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ حالات بہتر نہ ہوں۔

پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور دانشور حضرات ترجیحی بنیادوں پر بھائی چارے کی فضا قائم کرنے کی کوشش کریں حزب اختلاف اور حزب اقتدار مل کر قوم کی سوئی ہوئی قسمت کو جگانے کی کوشش کریں۔ عوام اور حکمران اسلامی شعار اپنائیں، سادگی اور انکساری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ عدل و انصاف کے لیے رشوت اور سفارش جیسے موذی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کی طرف قدم بڑھائیں۔ ریڈیو، ٹی وی کے پروگراموں میں اصلاح کی جائے اور فحاشی پھیلانے والے پروگراموں سے اجتناب کیا جائے۔

اخبارات و رسائل کے مدیران پاکستانی قوم کو درست سمت دکھانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں اور صحافت کے اصولوں کے مطابق نشر و اشاعت کی جائے۔ گزشتہ سال میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے سبق حاصل کیا جائے اور آئندہ کے لیے ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جو روشن مستقبل کی ضمانت ہو۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور تمام عالم اسلام بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص استحکام عطا فرمائے اور نیا عیسوی سال رحمتوں اور برکتوں کا باعث بنائے۔

باب العقائد

صانع عالم و خالق کائنات کے وجود و معرفت کی ایک مؤثر اقناعی دلیل

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

عقل کے نزدیک ضرر محتمل کا دفع کرنا اور اس سے بچاؤ کی تدبیر اختیار کرنا لازم ہے۔ یعنی جہاں کسی قسم کے ضرر پہنچنے کا محض احتمال و اندیشہ بھی ہو، وہاں عقل سلیم بطور وجوب اس کے دفع کرنے اور اس سے بچاؤ کی تدبیر اختیار کرنے کا حکم کرتی ہے، چہ جائیکہ جب وہ ضرر یقینی و حتمی ہو۔ چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اگر کوئی غیر ثقہ آدمی یا کوئی بچہ کسی شخص کو یہ خبر دے کہ فلاں جگہ ایک شیر یا اژدہا بیٹھا ہے جو شخص بھی اس طرف سے گزرتا ہے وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، تو اگرچہ اس شخص کو اس مخبر کی اس خبر پر یقین نہ ہو، مگر محض اس خیال سے کہ شاید یہ سچ کہہ رہا ہو، اور مبادا اسے کوئی ضرر پہنچ جائے، اس لیے وہ یا تو اس مقام پر جاتا ہی نہیں اور اگر جائے بھی تو بچاؤ کی کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے جاتا ہے۔ اور یہی طریق کار عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔ مگر متعلقہ مسئلہ میں پہنچ کر منکرین خدا کے نزدیک یہ اصول بدل جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بنابر مشہور ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق القول معصوم عن الخطا انبیاء و مرسلین اور ان سے بھی زائد ان کے اوصیاء طاہرین اور کروڑوں علمائے دین بلکہ تمام متدینین و طیبین یہ کہتے رہے اور کہہ رہے ہیں کہ خداوند عالم موجود ہے اور اس صانع حکیم نے اس مادی عالم کے علاوہ ایک اور عالم آخرت جس میں جنت و دوزخ ہے بھی پیدا کیا ہے۔ جس میں مرنے کے بعد بطور جزا یا سزا لوگوں کو رہنا ہے۔ کیا یہ حالات اگر کسی عقل مند آدمی کے سامنے ہوں تو اس کی عقل اسے حقیقتِ حال کا سنجیدگی سے جائزہ لینے اور متانت سے غور و فکر کرنے پر مجبور نہیں کرتی؟ کیا عقل اسے یہ سوچنے پر آمادہ نہیں کرتی کہ قطع نظر ان ادلہ و براہین کے جو صانع عالم کی ہستی پر قائم ہیں۔ حقیقت امر دو حال سے خالی نہیں۔ یا خدا ہے، اور یقیناً ہے، یا نہیں ہے؟ (اور یقیناً یہ شق باطل ہے) اگر نہیں ہے تو اسے ماننے اور نہ ماننے والے مرنے کے بعد سب برابر ہوں گے۔ نہ کوئی حساب و کتاب ہوگا، اور نہ جنت و دوزخ۔ لیکن اگر وہ موجود ہوا، تو ماننے والے تو رستگاری حاصل کر جائیں گے، مگر نہ ماننے والے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ماننے میں فائدہ اور نہ ماننے میں ضرور نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیا صحیح عقل اس ضرر سے بچنے کا حکم نہیں کرتی؟ لیکن باوجودیکہ بقول بعض محققین حقیقی اجماع و اتفاق جس طرح محسوسات میں موجب یقین و اطمینان ہوتا ہے اسی طرح معقولات میں بھی باعث علم واذعان ہوتا ہے۔ لیکن یہ کج فطرت لوگ اس جم غفیر اور جمع کثیر کے اجماع و اتفاق

سے بھی ہرگز متاثر نہیں ہوتے، بلکہ بایں ہمہ اپنے انکار پر اصرار کر رہے ہیں۔ لہٰذا دریں حالات کون دشمن عقل ایسے لوگوں کو صاحب عقل تسلیم کرسکتا ہے۔ یہی مختصر اور سادہ مگر مقنع دلیل حکماء روحانیین یعنی حضرات ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے بھی منقول ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار آبدار حضرت امیرالمومنینؑ کی طرف منسوب ہیں:

قال المنجم و الطبیب کلاھما
لن یبعث الاموات قلت الیکما

منجّم اور طبیب دونوں نے کہا کہ مردے کبھی زندہ نہ ہوں گے، میں نے ان کے جواب میں کہا: بس الگ رہو۔

ان صح قولکما فلست بخاسر
او صح قولی فالخسار علیکما

اگر بالفرض تمہاری بات صحیح ہوئی تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر میرا قول صحیح نکل آیا تو پھر تم دونوں کو ضرور نقصان اٹھانا پڑے گا۔

(دیوان منسوب بہ حضرت علیؑ)

ایسا ہی ایک استدلال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ایک دہریہ آنجنابؑ کی خدمت میں یہ مشورہ دینے آیا کہ آپ نماز روزہ وغیرہ خود ساختہ احکام کی بے فائدہ پابندی کر کے کیوں لطف حیات ضائع کرتے ہیں۔ حیاتِ مُستعار سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لطف اندوز ہونا چاہیے۔ امام عالی مقامؑ نے فرمایا کہ: اگر یہ پابندیاں فی الواقع خود ساختہ ہی ہیں اور کوئی حاکم مُطلق موجود نہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ موت کے بعد اس پابندی پر کوئی ابزپرس نہ ہوگی۔ لہٰذا تمہارے قول کے مطابق مجھے کوئی خمیازہ نہ بھگتنا پڑے گا۔ لیکن اگر ہمارا نظریہ درست ہوا تو بتاؤ تمہاری یہ آزادیاں تمہیں آئندہ کہاں لے جائیں گی۔ (بحارالانوار جلد ۲)

امامؑ کے اس کلام ہدایت التیام کا یہ اثر ہوا کہ وہ دہریہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ امام علیہ السلام کے اس کلام مُعجز نظام کا جس طرح اس دہریہ پر اثر ہوا تھا، وہ تو آپ نے سُن لیا۔ یہاں ایک اور گم گشتہ وادیٔ ضلالت کا تاثر بھی سماعت فرمالیجیے، جو غلط تعلیم اور غلط سوسائٹی سے متاثر ہوکر اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار کر دہریت کی تاریک وادیٔ ضلالت میں قدم رکھ چکا تھا، اور بڑی بڑی دلیلوں سے اس کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ مگر جب توفیق ایزدی شامل حال ہوئی تو امام علیہ السلام کا یہی کلام حق ترجمان پڑھ کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگیا۔ اور اس کے تمام عقدے حل ہوگئے۔ اس کے اپنے الفاظ میں اس کی داستان سنیے۔ کہتے ہیں:

ایک دن میں ایک مذہبی رسالہ پڑھ رہا تھا، پڑھتے پڑھتے میری نظر ایک دلیل پر پڑی، جسے صادق آلِ محمدؐ نے خدا کی ہستی کے ثبوت میں ایک دہریہ کے سامنے پیش فرمایا تھا۔ (پھر یہی سابقہ روایت نقل کی ہے) یہ روایت پڑھ کر میرے ہاتھ سے رسالہ گر پڑا، اور میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضورؑ مجھ ہی کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں کہ: "لیکن اگر میں صادق القول ہوں تو یہ آزادیاں تمہیں آئندہ کہاں

باقی صفحہ ۳۸ پر

تقلید فطری چیز ہے مرجع تقلید کے شرائط کیا ہیں؟

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

ارباب عقل و اطلاع پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

① عقائد ② احکام

اصول عقائد میں چونکہ ہر شخص پر علم و یقین حاصل کرنا ضروری ہے جو تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بناء برقول مشہور و منصور اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے باقی رہے احکام از قسم عبادات و معاملات وغیرہ تو ان میں ضروری ہے کہ ہر مکلف مجتہد ہو یا مقلد یا محتاط، یعنی یا تو وہ اس قدر علمی لیاقت کا مالک ہو کہ خود قرآن و حدیث سے استنباط کر کے ہر ہر مسئلہ کا حل معلوم کر سکے۔ یا پھر کسی جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کرے۔ یعنی اس کے حکم کے مطابق عمل کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ اسے اپنی شرعی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کا یقین حاصل ہو جائے۔

تقلید فطری چیز ہے

بعض لوگ تقلید کے نام سے بدک جاتے ہیں ان کے اضافہ معلومات کی خاطر واضح کیا جاتا ہے کہ تقلید نہ کوئی پیری مریدی ہے نہ کوئی بیعت اور نہ ہی مجتہد و مقلد کا رشتہ نبی و امت یا امام و ماموم والا ہے۔ بلکہ وہ صرف ایک فطری تقاضے کی تکمیل ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ خدائے رحمان نے حضرت انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص تن تنہا اپنے تمام امور معاش و معاد کو انجام نہیں دے سکتا بلکہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اپنے بنی نوع انسان کے تعاون کا محتاج ہے مثلاً جو شخص خود طبیب یا ڈاکٹر نہیں تو وہ علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف، جو خود وکیل نہیں وہ مقدمہ کے لئے کسی وکیل کی طرف اور جو معمار نہیں وہ مکان تعمیر کرنے کے لئے کسی معمار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس

روزمرہ کا مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر شخص جو چیز خود نہیں جانتا وہ اس سلسلہ میں اس کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرتا ہے بعینہ یہی کیفیت دینی عبادات و معاملات کی ہے چونکہ شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا واجب ہے اور عمل کرنے کے لئے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے لہٰذا جو شخص خود براہ راست قرآن و حدیث سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی مجتہد نہیں ہے اس پر لازم ہوگا کہ (بطور مقدمہ واجب) یا بموجب "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرے یا اس طرح احتیاط پر عمل کرے کہ برات ذمہ کا یقین ہو جائے۔

احتیاط کی وضاحت

مثلاً ایک عمل کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے بعض اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض مستحب تو آدمی اسے ضرور بجا لائے۔ اسی طرح بعض علماء ایک فعل کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض صرف اسے مکروہ جانتے ہیں تو وہ اسے ہرگز نہ بجا لائے یا ایک فعل پر بعض علماء نماز قصر کا حکم دیتے ہیں اور بعض تمام کا تو یہ قصر و تمام ہر دو کو جمع کرے تاکہ اسے اپنے شرعی وظیفہ کی انجام دہی کا علم و یقین حاصل ہو جائے۔

تقلید ناگزیر ہے

اس بیان سے یہ بات واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں اصولیوں و اخباریوں کی نزاع (دیگر اکثر مسائل کی طرح) محض نزاع لفظی پر مبنی ہے نام خواہ مُجتہد و مُقلّد رکھا جائے یا عالم و متعلّم یا مبصر و مستبصر، یا فقیہ و متفقہ اس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ غیر عالم کو عالم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور جہاں تک لفظ اجتہاد کے نام سے نفرت کا تعلق ہے تو یہ بے جا ہے کیونکہ مقدمہ کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ہمارے اور دوسری اسلامی برادری کے اجتہاد میں یہ بنیادی فرق ہے کہ ہمارا اجتہاد صرف قرآن اور سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کے مرکز و محور کے ارد گرد گھومتا ہے جبکہ دوسروں کے اجتہاد میں اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ جائز الاعتماد ہیں۔ جس اجتہاد و تقلید کی بعض اخبار سے مذمت مترشح ہوتی ہے تو اس سے یہی دوسری قسم کا اجتہاد و تقلید مراد ہے جو ائمہ اطہارؑ کے دور میں مخالفین میں رائج تھا۔ فلا تغفل

مرجع تقلید کے شرائط کیا ہیں؟

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ مرجع تقلید میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟ سو واضح ہو کہ کچھ خدا کے کلام اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم کے فرمان سے واضح و عیاں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مرجع تقلید میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

① فقاہت و اجتہاد۔ یعنی پیش آمدہ مسائل کو ان کے مدارک و ماخذ (قرآن و حدیث) سے استنباط کرنے کی پوری اہلیت و لیاقت رکھتا ہو۔

② صحت اعتقاد۔ یعنی صحیح اثنا عشری عقائد کا حامل ہو۔

③ اُمورِ قبیحہ سے اپنے نفس کی حفاظت کرنے والا ہو۔

④ ان چیزوں سے اپنے دین کو بچانے والا ہو جو انسان کو بے دین بنا دیتی ہیں۔

⑤ ہوا و ہوس نفس امارہ کی مخالفت کرنے والا ہو۔

⑥ اپنے مولا و آقا خداوند عالم اور اس کے ساتھ ساتھ رسول خدا ﷺ اور ائمہ ہدیٰؑ کا مُطیع و فرمانبردار ہو۔

انہی آخری چار مذکورہ بالا شرائط کے مجموعہ کا نام "شرعی عدالت" ہے یعنی اس کے اندر ایک ایسا ملکہ ہو جس کی وجہ سے وہ (جان بوجھ کر) واجبات کو ترک نہ کرے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے۔ الغرض وہ

باقی صفحہ ۳۸ پر

باب التفسیر

موت کا ناگزیر ہونا اور اس عہد کے مُسلمانوں کی روش و رفتار کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ○

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾

(سورۃ النساء:۷۸)

ترجمۃ الآیات

تم جہاں کہیں بھی ہوگے، موت تمھیں آئے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو، اور جب انھیں بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب کوئی برائی اور تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے ہے۔ کہہ دیجیے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ (۷۸)

تفسیر الآیات

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا

اس عنوانِ کلام سے ان لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ایک نہ ایک دن موت آکے رہے گی، اس سے کوئی مفر نہیں ہے، اگرچہ تم محکم و مضبوط قلعوں میں بھی قلعہ بند ہو جاؤ۔ تو جب مقررہ وقت آئے گا تو موت تمھیں وہاں سے بھی پکڑ لے گی۔ تو جب موت سے بچ نہیں سکتے اور اگر جہاد سے جان بچا بھی لو تو موت سے تم نہیں بچ سکتے ہو۔ تو بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ میدانِ جہاد میں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کی جائے؟ بروج برج کی جمع ہے۔ جس کے معنی قلعہ اور محل کے ہیں اور مشید کے معنی محکم و مضبوط اور بلند و بالا کے ہیں۔ بہر حال دنیا اور اس کی نعمات سب فانی اور آنی جانی ہیں۔ اور آخرت اور اس کی نعمتیں دائمی اور جاودانی ہیں۔ اور یہ آخرت والا گھر متقیوں کے لیے بہتر ہے۔

تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُہَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فَسَادًا

لہٰذا دائمی، ابدی اور لازوال نعمتوں کو نظر انداز کر کے فانی اور عارضی کو منتخب کرنا حماقت ہے، دانشمندی نہیں ہے۔......

وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ ......الآیۃ

یہ ہے اس عہد کے مُسلمانوں کی روش و رفتار کہ جب کسی جنگ میں فتح و فیروزی اور کامیابی حاصل ہوئی یا کوئی دنیاوی نعمت مل گئی تو اسے تو اللہ کی طرف سے اور

اللہ کا فضل قرار دے دیا اور یہ بھول گئے کہ اللہ نے یہ فضل نبی کے توسط سے کیا ہے اور اگر کہیں اپنی بے تدبیری سے شکست ہوئی یا کبھی اپنی بدعملی کی وجہ سے کوئی مصیبت پیش آئی تو اس کی ذمہ داری حضرت رسولِ خدا ﷺ پر عائد کردی اور خود بری الذمہ ہو گئے کہ آپ نے یوں کیا اور یوں کہا، تب یہ صورتِ حال پیش آئی۔

بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ روش تھی۔

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ (الاعراف: ۱۳۱)

جب انھیں کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر کوئی برائی پیش آتی ہے تو وہ اسے جناب موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ہیں۔

ارشادِ قدرت ہے: ان سے کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ فتح بھی اور شکست بھی، نعمت بھی اور مصیبت بھی۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فتح و نعمت اللہ کا امتنان و امتحان ہے اور شکست و مصیبت تمھاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

مَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ

مُفسّر قمی حضرات معصومینؑ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: قرآن مجید میں حسنات کی لفظ دو معنوں میں استعمال ہوئی ہے:

① صحت و سلامتی اور وسعت رزق وغیرہ

② نیک عمل۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا

کہ جو ایک نیکی کرے گا، خدا اسے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

فرمایا اسی طرح قرآن مجید میں سیئات کی لفظ بھی دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

① خوف، بیماری اور شدت و سختی وغیرہ

② وہ برے کام جن پر خدا سزا دیتا ہے۔ (تفسیر قمی)

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ (اتنی واضح) بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ کلام الٰہی کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ بات انہی لوگوں سے متعلق ہے جن کا پہلے ذکر ہو رہا تھا کہ پہلے تو جدال و قتال کی اجازت کا تقاضا کرتے تھے اور جب جنگ واجب ہوئی تو جان بچانے کے لیے اس سے پہلو تہی کرنے لگے۔

اوپر مُفسّر قرطبی کی تصریح گزر چکی ہے کہ مذکورہ بالا آیت منافقین کے بارے مین نازل ہوئی ہے، تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ آیت بھی منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ راست آئی اور فتح و غنیمت ملی تو کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہوئی۔ یعنی اتفاقاً بن گئی۔ حضرت تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے اور اگر بگڑ گئی تو الزام رکھتے حضرت کی تدبیر کا اللہ نے فرمایا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ پیغمبر تدبیر اللہ کا الہام ہے، غلط نہیں۔ (موضح القرآن)

اور حقیقت تو یہ ہے کہ "منافقین کا "من عند اللہ" کہنا بھی بطور حمد نہ تھا، بلکہ بطور محاورہ زبان تھا، جیسے اردو میں لوگ کہا اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں"۔

(تفسیر ماجدی)

مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقہ کے لیے لمحۂ فکریہ

مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کے دینی اور دنیوی کاموں میں تفریق کا قائل ہے کہ دینی و شرعی معاملات میں تو آنحضرت ﷺ سے غلطی نہیں ہوسکتی تھی۔ "مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" مگر دنیوی امور میں بحیثیت بشر ان سے غلطی کا امکان تھا ان لوگوں کے لیے اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات میں لمحہ فکریہ ہے، جہاں خدا نے اس نظریہ کی رد فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ رسولؐ کا ہر قول و فعل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اور اسی بنا پر فرمایا کہ:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے پیغمبرؐ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ کیونکہ پیغمبرؐ کا ہر حکم وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ اور آپ کا ہر کام و اقدام منشائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔

بقیہ: اسلامی معاشرہ میں پردہ کا مقام

مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہے اور تیسرا سبب بروقت اولاد کی شادی نہ کرنا ہے۔

ہماری خواتین کا فرض ہے کہ وہ اسلامی شعار کو اپنائیں اور غیروں کی بجائے اپنے اسلاف کی پیروی کریں، تاکہ معاشرہ میں ان کا وقار اور احترام قائم ہو۔ اسلام نے جو مقام خواتین کو دیا ہے وہ کسی مذہب اور معاشرہ نے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عورت کو کبھی ہیچ سمجھنا نہ خدا را
عورت کبھی حواؑ کبھی مریمؑ کبھی زہراءؑ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

① جناب جعفر جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے، فرمایا: اگر تم نیکوکار لوگوں سے محبت کرتے ہو تو تمہارے اندر خیر و خوبی ہے اور اگر تم بدکاروں سے محبت کرتے ہو تو پھر تمہارے اندر کوئی خیر و خوبی نہیں ہے۔ (اصول کافی)

② جناب کناسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: (محبت کی دو قسمیں ہیں)

① جو محبت خدا اور رسول کی خاطر ہوتی ہے اس کا ثواب خدا کے ذمہ ہے اور ② جو محبت دنیا کی خاطر کی جائے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ (اصول کافی)

③ جناب صفوان جمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جب بھی دو مومن بندے آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو ان میں سے افضل وہ مومن ہوتا ہے جو اپنے دوسرے مومن سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ (اصول کافی)

④ جناب اسحاق بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جو شخص دین کی وجہ سے کسی (دیندار) سے محبت نہ کرے اور دین کی وجہ سے کسی (بے دین) سے نفرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اصول کافی)

⑤ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: جو کسی شخص سے اللہ کی خاطر محبت کرے تو اسے خدا ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا، اگرچہ وہ محبوب اللہ کے علم میں جہنمی بھی ہو اور جو کسی شخص سے نفرت کرے (خدا کی خاطر) تو اسے بھی خدا جزا دے گا، اگرچہ وہ مبغوض شخص اللہ کے علم میں جنتی بھی ہو۔

(اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)

(اصول کافی)

سچ ہے کہ: ع

رحمتِ حق "بہانہ" می جوید "بہا" نہ می جوید

سوالات جناب شفقت حسین صاحب آف لیہ

سوال نمبر۱: برادران اسلامی شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ بوقت غسل جنازہ مردہ کے پاؤں قبلہ کی طرف کیوں کر دیتے ہیں۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" کہ اعمال و افعال کا تعلق آدمی کی نیت سے ہے۔ بنا بریں شیعیانِ حیدرِ کرار کی نیت خانہ کعبہ کا احترام کرنا ہے نہ کہ اس کی اہانت۔ اس لیے کہ مرنے والے کا موت کے وقت، غسل کے وقت اور مرض کے وقت مُنہ خانہ خدا کی طرف کرتے ہیں، تاکہ پتا چل جائے کہ یہ شخص خانہ کعبہ کا پجاری تھا اور دین اسلام کا قائل تھا۔ تفصیل کے لیے تجلیاتِ صداقت دیکھی جائے۔

سوال نمبر۲: سرکار ناصر الملۃ مجتہد لکھنوی اعتقادی طور پر ٹھوس نظریات و اعتقادات کے مالک تھے۔ پھر تحفہ احمدیہ میں انھوں نے کس طرح شہادت ثالثہ لکھی؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! تحفہ احمدیہ سرکار ناصر الملۃ کی تالیف نہیں ہے۔ اس کا مولف اور ہے، سرکار کی مصدقہ ضرور ہے۔ اور بالعموم تصدیق کنندہ عمومی طور پر تصدیق کرتا ہے، اس کی نگاہ ہر ہر جملہ پر نہیں ہوتی...... علاوہ بریں اس میں اس طرح شہادتِ ثالثہ مذکور نہیں جس طرح آج کل پڑھی جا رہی ہے۔ بلکہ "ان ربی نعم الرب"......"ان علیاً نعم الولی" مذکور ہے، جو کہ ایک ضعیف السند میں وارد ہے...... کتب اربعہ کی روایت میں "نعم الرسول" کے بعد کچھ نہیں ہے۔

سوال نمبر۳: ایک پڑھے لکھے مقرر نے واقعہ پڑھا کہ صلیبی جنگوں کے دور میں مومنین شام نے حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ کی مزار کی بے حرمتی کے ڈر کی وجہ سے میت مبارک کہیں مُنتقل کرنا چاہا، جب قبر کشائی کی گئی تو معصومہؑ خون آلودہ کپڑوں اور ہتھکڑیوں سمیت دفن تھی، مشہور واقعہ ہے۔ ادھر علمائے محققین حضرت معصومہؑ کے رحلت شام سے انکاری، ادھر یہ مشہور واقعہ۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس داستان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جناب سکینہ کا زندانِ شام میں وفات پانا کسی مستند کتاب میں مذکور نہیں ہے، جبکہ واقعہ کربلا کے بہت عرصہ بعد ان کا مدینہ منورہ میں وفات پانا تاریخ میں مذکور ہے۔ تفصیل کے لیے "سعادۃ الدارین" کا مطالعہ کیا جائے۔

سوال نمبر۴: آج کل شادیوں میں کھڑے ہو کر کھانا دیا جاتا ہے۔ شرعاً اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! کھانا با ادب بیٹھ کر کھانا

مُستحب ہے۔ اور سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی سنت و سیرت ہے۔

سوال نمبر۵: بعض مولوی صاحبان نماز جنازہ میں شہادت ثالثہ پڑھتے ہیں اور پہلا جواز آقائے خمینیؒ کے جنازہ میں سرکار گلپائیگانی کا حوالہ دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ یار یہ کوئی نماز تو نہیں فقط دعا ہی تو ہے، علامہ صاحب قبلہ نجفیؒ نے کہاں منع فرمایا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! نماز جنازہ اسی طرح پڑھنی چاہیے جس طرح سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے پڑھی ہے۔ اور انہی دعاؤں پر اکتفا کرنی چاہیے جو ان حضراتؑ سے منقول ہیں۔

سوال نمبر۶: آج کل عام وبا ہے کہ مومنین کے ذاتی اختلافات بڑھ کر مساجد و امام بارگاہوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ الگ الگ امام خانے اور مساجد بنائے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان میں اختلاف و افتراق نہیں ہونا چاہیے بلکہ اتفاق و اتحاد لازم ہے...... اور اگر اختلاف ناگزیر ہو تو مسجد و امام بارگاہ تک نوبت نہیں پہنچنی چاہیے اور مسجد ضرار بنانے سے اجتناب لازم ہے۔ جب مسجد و امام بارگاہ میں جائیں، یعنی جب اللہ تعالیٰ اور امامؑ کے گھر میں جائیں تو سب اِختلافات بھلا کر جائیں۔

سوال نمبر۷: سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہرویؒ اور سرکار علامہ سید محمد سبطین سرسویؒ غالیوں کے ساتھ ساتھ شیخیوں کے سرخیل اور ان کے چیلے چانٹوں کو کافر قرار دیتے ہیں، کیا ان کی مراد احسائی وغیرہ ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! یقیناً ان کی مراد شیخ احمد احسائی اور ان کے متبعین ہیں۔ اصطلاح میں شیخی شیخ احمد احسائی اور اس کے مریدوں کو کہا جاتا ہے جن کو ان کے معاصر علماء اعلام نے کافر قرار دیا ہے۔ اور آج بھی ان کے لیے کم از کم ضال و مُضل کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

سوال نمبر۸: غسل مولود سے لے کر دعائے جنازہ تک شیعوں اور سنیوں کا اختلاف ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارے اعتقادات معاملات شرعیہ اعمال سب سنت پیغمبرؐ کے عین مطابق ہیں، شیعہ جھوٹے ہیں، ان کی شریعت اعمال شرعیہ دینیہ سب خانہ ساز ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! صرف سنی و شیعہ کا ہی باہمی اختلاف نہیں اور صرف یہی اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل نہیں کہتے بلکہ ہر دین و ملت اور ہر مذہب و مسلک والا اپنے آپ کو برحق اور دوسے کو باطل قرار دیتا ہے۔ کل حزب بمالدیھم فرحون (ہر گروہ اپنی بات پر خوش ہے) مگر اللہ نے جو دین بنانے والا ہے فیصلہ کر دیا ہے کہ ان الدین عند اللہ الاسلام (القران) اور بانی اسلام نے جو دین پہنچانے والے ہیں نے فیصلہ کر دیا کہ یا علیؑ انت و شیعتك هم الفائزون یوم القیامة (اے علیؑ! آپ اور آپ کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہونے والے ہیں) (ملاحظہ ہو الصواعق المحرقہ، کنز العمال، تفسیر در منثور اور ینابیع المودۃ وغیرہ وغیرہ)

سوال نمبر ۹: اہل سنت کا فرقہ بریلوی بالخصوص پاک وہند میں شیعوں کو طعنہ دیتا ہے کہ ان میں نہ کوئی ولی اللہ صاحبِ مزار ہے، نہ یہ کسی مرشد کی بیعت ہوتے ہیں ان کے نزدیک سرے سے سلسلہ ولایت بزرگی ہے ہی نہیں، یہ لکیر کے فقیر صرف اپنے مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں۔ کیا جواب ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! ہمارے نزدیک بیعت صرف معصوم کی ہوتی ہے جو کہ نبی و امام ہیں۔ ہم نے ان کی بیعت کی ہوئی ہے۔ ہر ہر للو پنجو کی بیعت نہیں کرتے۔ اور علماء کی تقلید صرف سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے عقائد و اعمال معلوم کرنے کے لیے کرتے ہیں اور جہاں تک ولایت کا تعلق ہے تو ہم اس حیدر کرار کی ولایت کے قائل ہیں جو تمام ولیوں کا سید و سردار اور سب اولیاء کا آقائے نامدار ہے۔

سوال نمبر ۱۰: ہمارے اکثر ملنگوں کا رواج ہے کہ کان میں مُرکیاں یا والیاں نما پہنتے ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کی کوئی حقیقت نہیں۔

سوال نمبر ۱۱: شیخ حضرت عبدالعلی ہرویؒ کی ایک مجلس سے ثابت ہوتا ہے کہ مخدراتِ عصمت بیبیاں کربلا سے شام تک محملوں میں سوار تھیں۔ کیا حقیقت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! احتراماً ہمارے اہل علم محمل کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ورنہ حقیقت ہے کہ مخدراتِ عصمت وطہارت بے کجاوہ اونٹوں پر سوار تھیں۔ تفصیل کے لیے "سعادۃ الدارین" کا مطالعہ کیا جائے۔

سوال نمبر ۱۲: اکثر پڑھے لکھے مقرر حضرت علی اکبرؑ کی لاش مُقدس پر حضرت امام حسینؑ کا پہنچنا پڑھتے ہیں۔ پدر بر لاش پسر زانو باز انور سید ان سے سُن کر اب ذاکرین بھی پڑھنا شروع ہو گئے ہیں، جبکہ حضرت امام حسینؑ کے ایک غلامؒ کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے شہادت تک امام کے ہمراہ رہا، آپؑ نے کہیں دشمنوں کو شماتت کا موقع ہی نہیں دیا۔ حقیقت کیا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس میں شماتت کی کیا بات ہے کہ شبیہ مصطفیٰ جوان بیٹے کی موت نے امام عالی مقام کو اس طرح نڈھال کر دیا کہ شدتِ غم سے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور رفتاں وخیزاں لاش مُقدس پر پہنچے اور با آوازِ بلند گریہ وبکا فرمایا، اور یہی فطرت کا تقاضا ہے۔

سوال نمبر ۱۳: عام ذاکر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی قید چودہ سال پڑھتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کافی عرصہ تک زندان میں رہے، یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ ؎

مولا پہ انتہائے اسیری گزر گئی
زندان میں جوانی و پیری گزر گئی

لیکن چودہ سال کی صراحت کسی مُعتبر کتاب میں نظر قاصر سے نہیں گزری۔

سوال نمبر ۱۴: کتاب دربار یزید میں لکھا ہے کہ مروان کا ایک بھائی تھا، مروان کے درمیان اس کی دشمنی تھی، اس نے مروان کو جلانے کے لیے اپنے [illegible] کا نام

حسین رکھا، اسی حسین کی بیٹی سکینہ تھی۔ دشمنانِ اہل بیت نے تمام اس سکینہ کے افسانے حضرت سکینہؑ بنت الحسینؑ بن علیؑ کی طرف منسوب کر دیے۔ اس کی کیا حقیقت واصلیت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس نام کی کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اور نہ اس افسانہ کا ہمیں کوئی علم ہے۔ بہر حال جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ کے بارے میں دشمنانِ اہل بیت نے جو افسانے گھڑے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ وہ بنی امیہ کے ٹکسال کے کھوٹے سکے ہیں۔

سوال نمبر ۱۵: کیا حضرت امام حسینؑ نے جاگیر کربلا ساٹھ ہزار دینار پر خرید فرمائی تھی؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! یہ روایت کتب معتبرہ میں مذکور نہیں ہے۔ تفصیل معلوم کرنے کے لیے "سعادۃ الدارین" کا مطالعہ کریں۔

سوال نمبر ۱۶: سننے میں آتا ہے کہ حضرت محمد علی جناح شیعہ تھے، مگر ان کا جنازہ دیوبند عالم علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھایا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قائداعظم شش امامی تھے۔ جناب کی معلومات کے مطابق حقیقت کیا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! قائداعظم شیعہ اثنا عشری تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کی عمومی نمازِ جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی۔ مگر در پردہ پہلے ان کی نمازِ جنازہ شیعہ عالم دین (غالباً مولانا سید انیس الحسن مرحوم) نے پڑھائی تھی۔

سوال نمبر ۱۷: شہنشاہ ہمایوں مغل کا مفتی اعظم مخدوم الملک قاضی عبداللہ لاہوری مشہور و معروف ناصبی تھا۔ جناب اس کے بارے کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! ہمیں مغل بادشاہ اور اس کے قاضی کے دین و مذہب سے کیا سروکار ہے؟ اور آپ کو کیا ضرورت پیش آئی اس قسم کے مہمل سوال کرنے کی؟

سوال نمبر ۱۸: حضرت امام حسینؑ کی خبر شہادت مدینہ پہنچی تو خاندانِ بنو ہاشم کے گھروں سے کہرام اٹھا تو حاکم مدینہ اموی نے کہا کہ جس طرح آج بنو ہاشم کے گھر سے کہرام بپا ہے ارنب کے دن بنو امیہ کے گھر سے اسی طرح کہرام اٹھا تھا۔ "ارنب" کے دن سے کون سا دن مراد ہے۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! "یوم ارنب" سے مراد "یوم بدر" ہے۔ جس میں بنی امیہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے......اور حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھوں سے واصل جہنم ہوئے تھے۔

سوال نمبر ۱۹: حضرت زینب بنت علیؑ کا مزار مقدس دمشق میں ہے، قید یزید کے بعد تو سیدہ واپس مدینہ لوٹیں بعض آثار سے پتا چلتا ہے کہ دوبارہ قید ہو کر آلِ محمدؑ شام گئے اور سیدہ اس درخت کے نیچے گئیں جہاں سر حضرت امیر مسلمؑ لٹکایا گیا تھا، وہاں ایک ناصبی نے سر پر بیلچہ مارا اور سیدہ شہید ہو گئیں۔ جناب کا کیا نظریہ ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! جناب زینب عالیہؑ کے مزار کے بارے میں تین قول ہیں۔ عوام میں مشہور شام ہے۔ مؤرخین میں مشہور مصر ہے اور محققین میں مشہور مدینہ منورہ ہے۔ تفصیل کے لیے "سعادۃ الدارین" کا

مطالعہ کیا جائے اور اگر خدا توفیق دے تو تینوں مقامات پر اس مظلومہ کربلا کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے۔ اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں ہے جو آپ نے بیان کی ہے۔

سوال نمبر ۲۰: حضرت فضہ کہاں کی رہنے والی اور کیسے اہل بیتؑ کے پاس آئیں، کہاں رحلت اور مدفن کہاں ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! جناب فضہؑ کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی جو کہ مشہور ہے یہ کہ وہ حبشہ کی رہنے والی تھیں، دوسری یہ کہ وہ سندھ سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہرحال وہ جناب مخدومہ کائناتؑ کی مخلص خادمہ تھیں اور آپ کے بعد خانوادہ عصمت و طہارتؑ کی خادمہ رہیں، بالآخر مدینۃ النبی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

سوال نمبر ۲۱: کچھ ذاکرین پڑھتے ہیں کہ یزید نے قتل حضرت امام حسینؑ کا فتویٰ لیا اور ۹۰۰ ناصبی علماء نے قتل کا فتویٰ دیا۔ جناب اس فتویٰ والی روایت کی کیا حقیقت ہے......

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یزید لعین پکا بے دین تھا، اسے قتل امامؑ کے جواز کا فتویٰ لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی نگاہ میں نہ کچھ حلال تھا اور نہ حرام۔ وہ تو دین اسلام کے مٹانے پر تلا ہوا تھا، اور نشہ اقتدار میں بدمست تھا۔

سوال نمبر ۲۲: سرکار ناصر الملۃ علامہ سید ناصر حسین مجتہد علامہ سید غلام حسنین کنتوری علامہ سید مفتی محمد عباس شوستری وغیرہم علمائے لکھنو بڑے ٹھوس اور کٹر اعتقادات ونظریات کے حامل تھے۔ انہی حضرات لکھنو کے شاگرد جب ہندوستان سے نقل مکانی کر کے پاکستان آئے تو یہ شیخی نظریات کے حامی کیوں ہو گئے۔ کیا اپنے اساتذہ کرام سے منحرف ہو گئے۔ جناب کا کیا تبصرہ ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! جب نبیؐ و امامؑ کے اصحاب بدل سکتے ہیں تو علماء اعلام کے شاگرد حالات کے بدلنے سے کیوں نہیں بدل سکتے؟ عوام کی ہاؤ ہو اور روپیہ کی چمک اور ظاہری وقار کی دمک آدمی کو بے دین بنا دیتی ہے۔ اَلَّا مَنْ رَّحِمَهُ اللهُ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ

سوال نمبر ۲۳: ہمارے اکثر ذاکر اور عام مقرر حضرت علیؑ کو استاد جبرائیلؑ کہتے ہیں مگر حضرت علامہ السید غلام حسنین کنتوریؒ کا فرمان ہے کہ حضرت جبرائیلؑ بحکم پروردگار وحی لے کر پیغمبر خدا کے پاس حاضر ہوتے تھے جو حضرت علیؑ کو استادِ جبرائیل کہے وہ غالی ہے۔ جناب کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! جناب علامہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے حضرت امیرؑ کا استادِ جبرائیلؑ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال یہ نظریہ غلو میں داخل نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲۴: چہلم کے موقع پر ہم لوگ شبیہ محمل بناتے ہیں اور اکثر ذاکر پڑھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ۵۳ محمل گئے اور ۳ محمل واپس آئے۔ وہ پڑھتے ہیں ۶۴ مستور ۴۸ یتیم۔ اس روایت کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ العَالِمُ

سوال نمبر ۲۵: بریلوی سنی حضرات تقریروں اور تحریروں میں بیان کرتے ہیں کہ تصوف کے چار سلسلے ہیں اور چاروں کی ابتدا حضرت علیؑ سے ہوتی ہے۔ پھر سب کے طریقے الگ الگ ہیں۔ چاروں میں اختلاف ہے۔ کیا واقعی مولائے کائناتؑ تک یہ سلسلے پہنچتے ہیں؟ کیا اصلیت ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! یہ سب غلط ہے، تصوف کا کوئی سلسلہ نہ حضرت امیر علیہ السلام تک پہنچتا ہے اور نہ کسی اور امامؑ تک بلکہ یہ بنوامیہ کی پیداوار ہے۔ اس سلسلہ میں "اِقامۃ البرہان" کا مطالعہ کیا جائے۔

سوالات جناب جعفر خان جوسہ ضلع جھنگ

سوال نمبر ۱: کیا مسح میں پیر کے انگوٹھے کا مسح کرتے ہوئے مسح کر لینا بھی کافی ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! پاؤں کی انگلیوں سے لے کر پشت تک اس طرح مسح کرنا کافی ہے کہ اس پر مسح کا نام صادق آئے۔ اس سے زیادہ باریکی میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا مسح میں پیر کے انگوٹھے یا انگلی کا مسح کرتے ہوئے وہ حصہ جو سجدے میں زمین پر لگتا ہے یعنی سرا اس کو مسح میں شامل کرنا لازم ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے واضح ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۳: کیا مسح کی لکیر جو انگلی سے پیر کی پشت پر بنتی ہے اس کا مسلسل ہونا لازم ہے۔ اگر اسے آڑے طور پر کسی حاجز کی لکیر کاٹتی ہو تو کیا مسح ہو جاتا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! ضروری نہیں ہے، بس مسمّٰی مسح کافی ہے۔

سوال نمبر ۴: جو شخص فریضۂ حج سے سبکدوش ہو چکا ہو وہ اگر مکۃ المکرمہ جائے تو کیا مکہ معظّمہ میں دخول کے لیے احرام لازم ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اگر حدودِ حرم سے ایک بار باہر نکل جائے تو حدودِ حرم میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ہے۔ اور اگر ہنوز حدود کے اندر موجود ہے تو مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر ۵: اگر کوا ایسا شخص مکہ مکرمہ سے ہو کر اپنے وطن آ جائے اور وہ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس صورت میں کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

سوال نمبر ۶: کچھ لوگ نماز جنازہ میں شہادۃ ثالثہ پڑھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! نماز جنازہ ہو یا کوئی دوسری حقیقی نماز اس میں شہادتِ ثالثہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سوال نمبر ۷: شہادۃ ثانیہ کیا کلامِ آدمی نہیں؟ اگر ہے تو کیوں نماز میں پڑھی جاتی ہے؟ میں نے تو یہی جواب دیا کہ نص سے ثابت ہے اور مقررہ مقام کے علاوہ کہنا مبطل صلوٰۃ ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! نماز کے ارکان و واجبات اور

باقی صفحہ ۴۰ پر

ماہ ربیع الاول ۸۳ ھ کی ۱۷ تاریخ تھی جب تاریخ عصمت کا دوسرا "آفتاب صداقت" مطلع انسانیت پر ظہور کر رہا تھا، جس طرح کہ آج سے تقریباً ۱۴۳۵ سال پہلے اسی تاریخ کو سرکار دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت کے طفیل میں اس کائنات کو پہلے "آفتابِ صداقت" کے مطلع انوار بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

گویا نگاہِ قدرت میں ماہ ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ صداقت کے لیے راس آگئی اور قدرت نے ہر صادق کو بھیجنے کے لیے اسی مبارک تاریخ کا انتخاب کیا اور اس طرح دادا اور پوتے کی تاریخ صداقت بھی متحد ہوگئی اور چوں کہ مسلک آلِ محمدؐ ذاتی افکار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدائی اخبار کا مجموعہ ہے اور اخبار کا دار و مدار مخبر کی صداقت ہی پر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا مذہب کی حقانیت کا انحصار مخبر صادق کی صداقت پر قرار پاتا ہے اور اس طرح بہترین مذہب وہ مذہب قرار پائے گا جس کے اصول کا بیان نبی صادقؐ کے ذریعہ ہوا اور تشریحات و تفصیلات کے بیان کا کام امام صادقؑ سے متعلق کر دیا جائے۔

آپؑ کے والد کا اسم مبارک امام محمد باقر علیہ السلام تھا، اور والدہ گرامی جناب ام فروہ تھیں جو جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں اور جن کے بارے میں خود امام صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ ان کا شمار ان افراد میں تھا جو صاحبانِ ایمان، نیک کردار اور پرہیز گار تھے۔ اور جن سے اللہ نے محبت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپؑ کی تربیت جناب قاسم کی آغوش میں ہوئی جن کو مدینہ کے سات عظیم فقہاء میں شمار کیا جاتا تھا اور ان کی پرورش اس محمد کی آغوش میں ہوئی جن کے بارے میں امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ یہ اگرچہ ابوبکر کے صلب سے ہیں لیکن درحقیقت میرے فرزند کہے جانے کے قابل ہیں اور اسی علیؑ کی فرزندی کا نتیجہ تھا کہ حاکم شام نے انھیں اتنی سخت سزا دی کہ گدھے کی کھال میں بند کر کے زندہ جلوا دیا۔

جناب ام فروہ کی ذاتی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے بائیں ہاتھ سے حجر اسود کو مس کیا تو کسی شخص نے اعتراض کر دیا کہ یہ خلافِ سنت ہے، تو آپ نے فرمایا کہ: "انا لاغنیاء عن علمك" (ہم گھر کے افراد ہیں جو تیرے جیسے افراد کے علم سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔)

امام صادقؑ کا اسم گرامی جعفر تھا۔ جس کے معنی نہر کے ہیں اور جو جنت میں ایک وسیع نہر کا نام بھی ہے جس سے قدرت کی طرف سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ

آپ کے علوم و کمالات سے ایک عالم سیراب ہونے والا ہے اور آپ کے علوم کی وسعتیں جنت کی نہروں جیسی ہیں اور آپ سے واقعی فیض حاصل کرنے والا گویا اہل جنت میں ہے۔

کنیت ابوعبداللہ تھی اور القاب صابر، فاضل اور صادق وغیرہ تھے۔ جن میں صادق کا لقب رسولِ اکرم ﷺ نے اس تذکرہ میں عطا فرمایا تھا جس میں اپنے بعد کے وارثوں اور جانشینوں کا تذکرہ فرما رہے تھے اور فرمایا تھا کہ میرے اس وارث کا لقب صادق ہوگا۔ (جلاء العیون) اور اس کا ایک راز یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اولادِ رسولؐ میں ایک شخصیت جعفر کذاب کی بھی پیدا ہوگئی جنھوں نے غلط دعوائے امامت کر کے امام زمانہ سے مقابلہ کیا اور کذاب قرار پا گئے۔ اس لیے اس اشتباہ سے بچنے کے لیے آپ کو مسلسل صادق کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اگرچہ دوسرے جعفر بھی بعد میں تواب قرار پا گئے لیکن عام طور سے ان کا تعارف اسی لقب سے ہوتا ہے جس سے ان کے غلط دعویٰ پر روشنی پڑتی ہے۔ چاہے بعد میں گناہ معاف ہی کیوں نہ ہو جائے۔

آپ کے بارے میں آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ شکم اقدس میں برابر ماں سے کلام کیا کرتے تھے اور ولادت کے بعد بھی سب سے پہلے زبانِ مبارک پر کلمہ شہادتین جاری کیا اور ایک مرتبہ پھر واضح کر دیا کہ امام اسلام لاتا نہیں ہے اسلام لے کر آتا ہے۔

آپ کی انگشتری کا نقش:

اللہ ولی و عصمتی من خلقہ اللہ خالق کل شئی انت ثقتی فاعصمنی من الناس ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ (باختلاف روایات)

آپؑ کی تاریخ ولادت کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ تاریخ سال کے ان چار اہم دنوں میں شامل ہے جس دن روزہ رکھنے کا بے حد ثواب قرار دیا گیا ہے اور جن میں ۱۷ ربیع الاول کے علاوہ ۲۵ ذی قعدہ، ۲۷ رجب اور ۱۸ ذی الحجہ روزِ غدیر خم جیسی اہم تاریخیں بھی شامل ہیں۔

آپؑ کی ولادت عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں ہوئی جس کا سلسلہ تقریباً ۸۶ھ تک رہا۔ اس کے بعد ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک ولید بن عبدالملک کا دور رہا۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک چند دنوں کے لیے حاکم بنا۔ پھر تھوڑے عرصہ تک عمر بن عبدالعزیز کی حکومت رہی۔ ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک برسرِ اقتدار آیا۔ پانچ سال کے بعد ہشام بن عبدالملک کا دور شروع ہوا، جو تقریباً ۲۰ سال باقی رہا۔ ۱۲۵ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالی اور اس کے فوری خاتمہ پر ۱۲۶ھ میں یزید ناقص برسرِ اقتدار آیا اور چند دنوں کے بعد ابراہیم بن الولید کو حکومت مل گئی اور اس کے بعد مروان الحمار برسرِ اقتدار آیا جس کے خاتمہ سے بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور ابوالعباس سفاح نے ۱۳۲ھ میں تخت و تاج پر قبضہ کر لیا اور عباسی دورِ حکومت کا آغاز ہو گیا۔ ابوالعباس سفاح کی چار سالہ حکومت کے بعد منصور

دوانیقی کو اقتدار مل گیا اور اس کا سلسلہ ۱۵۸ھ تک جاری رہا۔ جس میں ۱۴۸ھ میں اس نے امامؑ کو زہر دے کر شہید کرا دیا۔

تاریخ حکومت اموی و عباسی کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت یا خلافت کا ایمان اور کردار سے کوئی تعلق نہیں تھا اور وراثت یا طاقت کے زور پر سارا کاروبار چل رہا تھا۔ چنانچہ اس کا سب سے زیادہ دلچسپ اور عبرتناک ثبوت یہ ہے کہ خلفاء اسلام کی فہرست میں یزید ناقص، ولید فاسق، ابوالعباس سفاح، منصور دوانیقی، اور مروان الحمار جیسے نام ملتے ہیں۔ جن کے نام ہی سے ان کے ناقص، فاسق، خوں ریز و سفاک، پیسے پیسے پر مرنے والا اور گدھا ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ان تمام اوصاف و کمالات کے بعد بھی سب خلیفہ المسلمین تھے اور اسی اسلامی ذوق کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک مسلمان حکومتوں کے حکام بے دین، جاہل و شرابی، جواری اور عیاش نظر آرہے ہیں اور عالم اسلام انھیں اولی الامر قرار دے کر ان کے احکام کی اطاعت کو سرمایہ دین و ایمان قرار دے رہا ہے۔ بھلا کیا مقابلہ ہے اس بے دین اور بدکردار تاریخ کا، اس معصوم اور فنافی اللہ تاریخ سے جس کی کوئی فرد صاحب علم ہے تو کوئی صاحب اخلاق، کوئی صبر کا مجسمہ ہے تو کوئی عبادت کا نمونہ، کوئی وسعت علوم کا ذمہ دار ہے تو کوئی صداقت کا شاہکار، کسی نے تحمل و کظم غیظ کا مظاہرہ کیا ہے تو کسی نے راضی برضائے الٰہی رہنے کا، کسی کا تقویٰ شہرہ آفاق بان ہے تو کسی کی طہارت قلب، کوئی عسکری طاقت کا مرقع ہے تو کوئی اصلاح عام کا ذمہ دار۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

عبدالملک کے دور حکومت کے خاتمہ تک امام کی عمر صرف تین سال تھی۔ لہذا اس حکومت سے کسی خاص سابقہ کا سوال نہیں ہے۔ سلیمان بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید ناقص، ابراہیم بن الولید اور مروان الحمار خود ہی چند روزہ حاکم تھے۔ لہذا ان کا تذکرہ کرنا ہی بیکار ہے۔

امامؑ کے دور زندگانی میں ابتدائی طور پر حکومت کرنے والے افراد میں دس سال ولید بن عبدالملک کا دور حکومت ہے اور درمیان میں بیس سال ہشام بن عبدالملک کا زمانہ ہے۔ اور آخر میں تقریباً ۲۰۔۲۲ سال منصور دوانیقی کا دور حکومت ہے۔ لیکن ان ادوار میں بھی ولید کا پورا دور حکومت اور ہشام کا نصف دور حکومت امام محمد باقرؑ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد ۱۱۴ھ میں آپ کی شہادت کے بعد امامؑ کا دور قیادت شروع ہوا، جس کا ابتدائی مقابلہ ہشام بن عبدالملک سے رہا اور آخری مقابلہ منصور دوانیقی سے لیکن پھر بھی تاریخ خلافت کے تعارف کے لیے بعض افراد کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

امامؑ کی ابتدائی زندگی کا حاکم وقت ولید بن عبدالملک تھا، جس کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ خود اپنی حسین و جمیل بیٹی سے زنا کیا اور جب کسی نے اعتراض کیا کہ اس طرح بڑی بدنامی ہوگی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ لوگوں کی ملامت کا خیال کرنے والے یہود کو

حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ ظالم نے خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کا منصوبہ بنایا، تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ اسلام میں خلیفہ کے وقار کے علاوہ کسی شے کا نہ کوئی وقار ہے نہ احترام۔ اس نے قرآن مجید سے جنگ میں جانے کے لیے فال نکالی اور آیت خلاف منشا نکل آئی تو قرآن کو تیروں کا نشانہ بنا کہ کہہ دیا کہ روزِ قیامت اپنے خدا سے کہہ دینا کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔

یہ ہے مُسلمانوں کا ایمان بالقرآن کہ ایسے افراد کو بھی خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنے کے بعد محبانِ اہل بیتؑ پر یہ طنز کرتے ہیں کہ ان کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے۔ بے شک اگر ایمان بالقرآن کے لیے اس مشق تیر اندازی کی بھی شرط ہے تو اللہ ہر مُسلمان کو ایسے ایمان سے محفوظ رکھے۔

ولید کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اذان سن کر کنیز سے جماع کرنے میں مصروف ہو گیا اور جب مُسلمان نماز پڑھانے کے لیے بلانے کے لیے آئے تو اسی کنیز کو اپنا لباس پہنا کر بھیج دیا اور مخلص مُسلمانوں نے نہایت ہی "خضوع وخشوع" کے ساتھ کنیز کے پیچھے نماز پڑھ لی اور یہ بات پھر واضح ہو گئی کہ بنی امیہ کے پرستاروں میں نہ اونٹ اور اونٹنی کی تمیز ہے اور نہ مرد اور عورت کی۔ یہ ہر کس وناکس کو اپنا امام اور رہنما تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، بلکہ جو جس قدر بے دین ہوگا اتنا ہی بڑا خلیفۃ المسلمین اور ولی امر امت ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے چچازاد بھائی جناب یحیٰی بن زید کو اسی ظالم نے قتل کرایا تھا اور پھر ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تھا اور آخر میں ایک مدت کے بعد سولی سے اتروا کر نذر آتش کرا دیا تھا اور اس طرح خلافت اسلامیہ کی بھی حقیقت واضح ہو گئی تھی اور خلیفۃ المسلمین کے حسد کی آگ بھی بجھ گئی تھی۔

ہشام بن عبدالملک کا دور حکومت آپ کی جوانی کا دور زندگی تھا، جب آپ ہشام کی طرف سے وارد ہونے والے مصائب کا باقاعدہ مشاہدہ کر رہے تھے، بلکہ بعض اوقات ان کا نشانہ بھی بن رہے تھے۔

ہشام انتہائی چالباز، کنجوس، سخت مزاج، خود سر، بد اخلاق لالچی اور شکی قسم کا انسان تھا۔ ذرا ذرا سے شبہ پر افراد کو تہ تیغ کرا دیا کرتا تھا۔ آلِ رسولؐ کا قتل عام اس کا خاص مشغلہ تھا۔ چنانچہ اس نے ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کا گورنر بنا کر رکھا جس نے ایک عام تباہی مچا دی، اور اس قدر بے دینی پھیلائی کہ ہشام کو رسولِ اکرمؐ سے بہتر قرار دے دیا۔ (تاریخ کامل)

ہشام نے حج کے موقع پر امام زین العابدینؑ کی عظمت کا مشاہدہ کیا تو جل کے رہ گیا، اور جب فرزدق نے آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا تو انھیں مقام عسفان میں قید کرا دیا اور سخت سزا دی۔

اسی شخص نے جناب زید کو شہید کرایا۔ ان کی لاش کو چار سال سولی پر لٹکا کر رکھا اور آخر میں لاش مبارک کو نذرِ آتش کرا دیا۔

اسی ظالم نے امام باقرؑ کو جبراً مدینہ سے شام طلب کیا اور انھیں بے حد اذیت دی۔ اس وقت امام

صادقؑ بھی آپ کے ہم سفر تھے اور راستہ میں مرد راہب سے ملاقات کرکے اپنے کمالات کی بنیاد پر اسے مُسلمان بنالیا تھا۔

اسی ہشام نے جناب زید کو کنیز زادہ کہہ کر طنز کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ جناب اسماعیلؑ جو خود پیغمبر خداؐ تھے،، اور سرکار دو عالمؐ کے جد بزرگوار تھے وہ بھی تو جناب ابراہیمؑ کی کنیز جناب ہاجرہ کے بطن سے تھے تو کیا ان کا مرتبہ کچھ کم ہوگیا یا وہ نبوت کے لائق نہیں رہ گئے۔

منصور دوانیقی۔ بنی عباس کا دوسرا حکمران تھا جس کی تدبیر اور تنظیم مملکت کے چرچے بہت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جملہ مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ شخص انتہائی سفاک اور قاتل تھا اور یہی اس کا کمال تدبیر ہے کہ شبہات پر قتل کردیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بنی ہاشم اور علویین کا کیا ذکر ہے، امام مالک کو صرف اس جرم میں کوڑے لگوادیے کہ انھوں نے کسی وقت سادات کی حمایت کردی تھی اور امام ابوحنیفہ کو جناب زید کی بیعت کی بنا پر قید کرادیا اور آخر میں ۱۵۰ھ میں زہر دلوادیا۔ سادات کو قتل کردینا، دیواروں میں زندہ چنوا دینا، تعمیرات میں ان کے خون کا گارا استعمال کرنا تو منصور کے روزمرہ میں شامل تھا۔ اس ظالم کے ظلم کی انتہا تھی کہ سادات قید خانہ میں مرجاتے تھے تو ان کی لاش بھی باہر نہ نکلواتا اور اس طرح قید خانہ کی فضا اور مکدر ہوجاتی تھی اور زندگی مزید دوبھر ہوجاتی تھی لیکن سادات کرام نے ان حالات میں بھی زندگی گزاری اور تلاوت قرآن کے ذریعہ اوقاتِ نماز کا تعین کرکے عبادتِ الٰہی میں زندگی بسر کرتے رہے۔

امام حسنؑ کی اولاد کا وجود منصور کے لیئے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ جناب عبداللہ محض کے احتجاج کی بنا پر پہلے انھیں قید کرلیا، اس کے بعد ان کے دونوں فرزندوں کو قتل کرادیا، جب نفس زکیہ نے منصور کے مظالم کو ناقابل برداشت قرار دے کر کوفہ میں قیام کیا اور ابراہیم نے مصر میں احتجاج کا پرچم بلند کیا تو ابتدا میں بعض لوگوں نے ساتھ بھی دیا اور ایک فوج بھی تیار ہوگئی لیکن آخر میں مقابلے کی سختی میں فوج کام نہ آسکی اور دونوں اپنے لشکر کے درمیان قتل کردیے گئے۔

سادات کرام کے حوصلے اس کے بعد بھی بلند رہے۔ چنانچہ جناب عبداللہ محض جنھوں نے صحرائیوں کی زندگی اختیار کرلی تھی اور ایک موقع پر اپنے بیٹوں سے ملاقات کرکے انھیں وصیت کی تھی کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر ان حضرات نے قیام کیا تھا۔ جب جناب عبداللہ محض کے سامنے ان کے فرزند محمد نفس زکیہ کا سر رکھا گیا اور انھوں نے نماز تمام کرکے اپنے فرزند کے سر کو دیکھا تو فرمایا: شاباش! تو نے خدائی عہد کو پورا کیا اور تیری تلوار نے تجھے دنیا کی ذلت سے بچالیا اور تیرے تقویٰ نے تجھے آخرت کے عذاب سے محفوظ کرلیا اور یہ کہہ کر سر لانے والے سے فرمایا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہمارا کام تمام ہوچکا ہے۔ اب اس کے بعد تیری باری ہے اور انصاف بہرحال خدا کی بارگاہ میں ہوگا۔ اس کے بعد ایک ایسی سانس لی کہ دم نکل گیا اور اپنے بچوں کی قربانی پیش کرکے ان کے

ہمراہ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہو گئے۔

منصور کے وہ مظالم جن کی بنا پر ان حضرات نے قیام کو ضروری قرار دے لیا تھا، ان کا ایک معمولی منظر یہ تھا کہ اس نے مدینہ سے تقریباً ستر پچھتر حسنی سادات کو گرفتار کرایا اور ان کے گلے میں طوق اور پاؤں میں دوہری زنجیریں ڈال کر انھیں مدینہ سے باہر نکالا جس کی خبر پا کر امام صادق علیہ السلام اس مقام تک آئے اور اس منظر کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا کہ اب حرم خدا اور رسولؐ کی حرمت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس کے بعد ۲۰ دن تک بخار میں مبتلا رہے۔ آپ نے یہ بھی چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض کے پاس جا کر انھیں اس حادثہ کی تعزیت پیش کریں لیکن ظالموں نے نہ جانے دیا اور اس طرح ایک دوسرے کے غم میں شرکت بھی نہ کر سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسے ظالم اور جلاد بادشاہ کی نگاہ میں جب سادات حسنی کے عام افراد کی زندگی ناقابل برداشت تھی تو امام جعفر صادق علیہ السلام تو بہر حال امام اور مجسمۂ کمالات تھے، اور ان کی شخصیت قوم کی نگاہ میں بے حد معزز اور محترم تھی۔ ان کا وجود منصور کی نگاہ میں کس طرح قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بار بار آپ کو زہر دینے کی کوشش کی اور متعدد بار دربار مین اس قصد سے طلب کیا کہ آپ کی تذلیل کی جائے اور آخر کار قتل کر دیا جائے۔ لیکن جب تک مصلحت الٰہی حیات سے وابستہ ہے کوئی کسی کی زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتا ہے اور جسے خدا عزت دینا چاہتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا ہے۔

منصور نے ایک مرتبہ بغرض تذلیل طلب کیا تو دربار مین ایک مکھی بار بار منصور کی ناک پر بیٹھ جاتی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر سوال کیا کہ آخر خدا نے اسے کیوں پیدا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کے ظالم و جابر بادشاہوں کو ذلیل کرنے کے لیے تاکہ انھیں اپنی اوقات کا اندازہ ہو جائے اور یہ سمجھ لیں کہ ایسی ناتوانی اور بے کسی کے باوجود سارے عالم پر کس طرح ظلم و ستم کر رہے ہیں۔

دوسری مرتبہ حضرت کو طلب کیا تو کثیر تعداد میں جادوگر اکٹھے کر لیے جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے جادو سے امامؑ کی توہین و تذلیل کریں لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ نے شیر قالین کی طرف اشارہ کر دیا اور اس نے مجسّم ہو کر تمام جادوگروں کو نگل لیا۔ جس کے بعد منصور نے آپ سے جادوگروں کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر موسیٰ نے عصا نے جادوگروں کو واپس کر دیا ہوتا تو میں بھی واپس کر دیتا لیکن اب نہیں ہو سکتا۔ (دمعہ ساکبہ)

منصور نے ایک مرتبہ سو جاہل اور گنوار افراد کو دربار میں اکٹھا کیا تو حضرت صادقؑ کے آتے ہی ان پر حملہ کر دیں اور ان کا خاتمہ کر دیں۔ لیکن قدرت کا انتظام کہ جب حضرت تشریف لائے تو سب تلواریں پھینک کر قدموں پر گر پڑے اور منصور نے خطرہ کا احساس کر کے آپ کو راتوں رات وطن واپس کر دیا اور پھر زہر دلوا دیا۔

(دمعہ ساکبہ)

اب ہم اس مسئلہ کو ایک دوسرے طریق پر پیش کرتے ہیں کہ قرآن حکیم ہمیں خبر دیتا ہے کہ جن جن قوموں میں انبیاء و رسل تشریف لائے ان کی اطلاع کے لیے اللہ نے لفظ ''مِنکُمْ'' اِستعمال فرمایا ہے کہ ان کی ہدایت و رہبری کے لیے جو رسول آیا وہ ''ان ہی میں سے تھا''۔ کہیں باہر سے نہیں آیا اور نہ ہی کہیں اوپر سے نازل ہوا، اسی معاشرہ میں پیدا ہوا، وہیں زندگی کے شب و روز گزارے اور اپنی قوم کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے اپنی ہی قوم کے ہاتھوں ظلم و ستم سہہ کر فریضہ رسالت سرانجام دیا۔

ارشادِ رب العزت ہے:

اللہ نے ہمیشہ اہل ایمان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان (اہل ایمان) میں ان ہی میں سے (من انفسھم) ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورہ آلِ عمران: ۱۶۴)

اللہ نے انسان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں وہ اس کا احسان ہیں۔ اہل ایمان میں ان کا ہم نفس اور ہم جنس رسول بھیج کر انھیں جتا رہا ہے کہ تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجنا بہت بڑا احسان ہے، یہ سنت الٰہیہ تب سے ہے جب سے اہل ایمان ہیں۔

اہل اسلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشادِ قدرت ہو رہا ہے کہ: ''(اے مُسلمانو) یہ تحویل قبلہ تم پر ایسا احسان ہے جس طرح ہم نے تمھارے درمیان تم ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا''۔ (البقرہ: ۱۵)

اطاعتوں کے ذکر میں فرمایا گیا کہ: ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کیا ور اولی الامر (و اولی الامر منکم) کی جو تم میں سے ہو''۔

یاد رہے کہ بین المسلمین یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے کہ اس تیسری اطاعت کا مصداق کون ہے، جبکہ تشیّع کا عقیدہ و ایمان ہے کہ مراد علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ولی امر جو تم میں سے ہو۔ اختصار کے پیش نظر صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ لفظ ''منکم'' پر فرصت ملے تو غور و فکر کرنے سے صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے۔

محترم مُصنّف نے رسالہ کے صفحہ نمبر ۲ پر اپنی عجز و انکساری کا یوں اظہار کیا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اول نوری مخلوق کو خلق کیا اور اپنی معرفت کا وسیلہ بنایا، یہ ہی وہ نوری مخلوق ہے جو وجہ تخلیق کائنات بنی۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ نوری مخلوق ہیں۔

لگے ہاتھوں آپ سے یہ پوچھ لینے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے کہ آپ نوری مخلوق کی اولاد ہونے کے دعوے دار ہیں، اس مخلوق کے صدقے صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کو یہ خیال کیسے اور کہاں سے آ گیا کہ نوری کی بجائے بشری مخلوق بننا پسند فرمایا۔ ہماری سمجھ کے مطابق نوری مخلوق کی اولاد و نسل ہونے کے ناطے آپ کو بھی نوری مخلوق ہونا چاہیے تھا۔ اگر آپ نے کسی مالی مصلحت کے تحت لباسِ بشریت پہن کر دنیا کو مغالطے میں ڈال رکھا ہے تو خدا کے واسطے اس نقابِ بشریت کو رُخِ انور سے الٹ کر اپنے حقیقی نوری روپ میں مریدین خاص کے سامنے جلوہ نمائی فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

کبھی اے حقیقت مُنتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

ورنہ ہم تو اس قانونِ قدرت کی خبر رکھتے ہیں کہ گندم کاشت کریں تو گندم ہی پیدا ہوتی ہے اور تھور کے پودے پر کیلے نہیں لگتے۔ اگر اس کے برعکس ہو جائے تو وہ معجزہ ہوگا، جو فعل خداوندی ہے۔

آپ نے مزید ایک الزام یہ دیا ہے کہ ہم لوگوں کے اذہان میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، جبکہ معاملات اس کے برعکس ہیں۔ ہم تو لوگوں کے ذہنوں سے وہ نکالنا چاہتے ہیں جو کچھ آپ ڈال رہے ہیں اور اس کے بدلے یہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ بہ نصِ قرآنی نوری نہیں بشری مخلوق ہیں اور بشری مخلوق میں انسان کامل اور اکمل بشر ہیں۔ ذہن نشین فرمائیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، نوری اور ناری مخلوق اس سے کمتر ہے۔

خدا را کبھی تو قرآن کو قرآن اور اللہ کا پاک فرمان حق ترجمان سمجھ کر پڑھ لیا کریں کہ اس پاک کتاب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبانی کہلوا رہا ہے کہ:

''کہہ دو میں تم جیسا ہی بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے''۔ (سورہ کہف: ۱۱۰)

مشرکین مکہ کو رسولِ خدا پر یہی تو اعتراض تھا کہ تم کھاتے پیتے بازاروں میں گھومتے پھرتے ہماری مثل بشر ہو۔ پھر تم نبی و رسول کیسے بن گئے؟...... جواباً فرمایا گیا کہ اس میں شک نہیں کہ میں بھی ایک بشر ہوں لیکن میرے اور تمھارے درمیان وجہ امتیاز یہ ہے کہ مجھ پر وحی خدا نازل ہوتی ہے۔

جن انبیاء ومرسلین کا تذکرہ قرآن مجید میں ہوا ان کے حالات میں ایک حالت ایک جیسی رہی کہ ہر ایک کی قوم کے سرکشوں نے انبیاء پر ایک جیسے الزامات واعتراضات لگائے جیسا کہ جادوگر، سحر زدہ، دیوانہ، احمق، نادار، مفسد اور طالبِ اقتدار وغیرہ، اور ساتھ ہی ساتھ ہر نبی کو ان مفسدوں نے یہ طعنہ بھی دیا کہ تم ہم جیسے ہی ایک بشر ہو پھر تم رسول کیسے ہو سکتے ہو؟ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا مقصود ہوتا تو وہ کسی فرشتے (نوری مخلوق) کو نبی و رسول بنا کر بھیجتا۔

قرآنی حقائق گواہ ہیں کہ ہر نبی نے اپنے اوپر لگنے والے ہر بے بنیاد الزام واعتراض کو اپنے صاف و

شفاف کردار و گفتار سے غلط ثابت کیا۔ کہاں ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ کسی نبی نے سرپھروں کے اس طعنے کو رد کرتے ہوئے کہا ہو کہ تم غلط سمجھ رہے ہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں، بلکہ میں آسمانوں سے نازل ہونے والی نوری مخلوق ہوں جو تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن دیکھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ کسی نبی نے انکار نہیں کیا بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے اپنی بشریت کو قبول کیا۔

باغیانہ ذہن رکھنے والی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے بھی یہی کہا:

''پس انھوں نے کہا کہ ہم ایک ایسے بشر کی پیروی کریں جو ہم ہی میں سے ہے اس صورت میں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے''۔ (القمر:۲۴)

اللہ کے رسولوں نے جب اپنی اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دی تو ان تمام نے دعوتِ حق کا انکار کرتے ہوئے رسولوں سے کہا کہ:

''تم نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر''۔ (سورہ ابراہیم:۱۰)

ان رذیلوں اور کمینوں کے جواب میں ان کے رسولوں نے کہا کہ بے شک ہم نہیں ہیں مگر تمھارے جیسے بشر (اور انسان) مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا احسان فرماتا ہے، اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تمھیں کوئی کھلی ہوئی دلیل (معجزہ) پیش کریں مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر ہی اہل ایمان کو بھروسا کرنا چاہیے۔ (سورہ ابراہیم:۱۱)

محترم رضوی صاحب! یہ ہیں اللہ کے فرمودات، رسولوں کے اعلانات، اور انبیاء کے اعترافات، جن سے حق و حقیقت پر مبنی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر زمانے کے مشرکین کا یہ مُسلمہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی و رسول بن کر آنے والا بشری مخلوق نہیں بلکہ کوئی نوری مخلوق از قسم ملائکہ ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر وہ کسی بشری (انسان) کو نبی و رسول ماننے کو تیار نہ ہوتے، جبکہ کوئی رسول اپنی بشریت کا انکار بھی نہ کرتا۔

دھیان رہے کہ انیس بیس کے معمولی فرق کے ساتھ قدیم مشرکین کا یہ باطل عقیدہ جدید مشرکین میں بدستور موجود ہے۔ بس تھوڑا لفظوں کا ہیر پھیر ہے کہ اولڈ ماڈل مشرک کو کسی بشر یا انسان کو رسول ماننا ناگوار گزرا اور آج کے نیو برانڈ مشرک کے لیے کسی نبی و رسول اور امام کو بشر یا انسان ماننا بوجھ محسوس ہو رہا ہے۔ درحقیقت دونوں معاملات کی شکل و صورت جڑواں بھائیوں کی طرح ایک جیسی ہے۔

نبی اور آلِ نبی پر یہ ظلم کسی شیطانی سوچ اور طاغوتی فکر کی تکمیل ہے کہ ان ذواتِ مُقدسہ کو دائرہ انسانیت اور حلقہ بشریت سے خارج کردینے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ کیا ایسے مردود منصوبوں کے شکم مین یہ سوچ تو پوشیدہ نہیں کہ جب ایسا نامعقول عقیدہ اکثریت کا جزو ایمان بن جائے تو آسانی سے کہہ دیا جائے وہ نوری مخلوق ہیں۔ نماز روزہ حج و جہاد اور زکوٰۃ و خمس وغیرہ شرعی تکالیف وہی بجا لاسکتے ہیں، ہم بشری مخلوق کیا ان جیسے ہوسکتے ہیں، ہمارا کام صرف قصیدے پڑھنا اور دھمال ڈالنا ہے۔

یاد رہے کہ صوفی ازم ان ہی بنیادوں پر استوار ہے۔ صوفیاء نے قرآن حکیم کی ایک آیت کی من پسند تاویل کر کے اپنے آپ سے عبادت ساقط کر رکھی ہے۔ خوفِ طوالت دامنگیر ہے، ورنہ ہمارے سامنے کھلا سمندر موجود ہے، جس سے محکم دلائل کے کئی مشکیزے بھر کر آپ کی پیاسی اور قیاسی طبیعت کو سیراب کر سکتے ہیں۔

اسی مزاج سے ملتا جلتا ایک اور خود ساختہ پتنگ بے بنیاد نظریات کی فضاؤں میں بن پروں کے اڑا جا رہا ہے کہ سادات الگ ہیں اور امتی الگ ہیں۔ یعنی جو شخص خانوادۂ سادات سے تعلق رکھتا ہے وہ نبی آخر الزمانؐ کی امت نہیں، کیونکہ وہ سید ہے اور امتی وہ ہے جو غیر سادات ہے۔ اس نظریے کی رو سے سید امت محمدیہ سے باہر ہیں۔ اکثر سادات بھی اس تقسیم پر راضی نظر آتے ہیں کہ ہم تو سید ہیں، امتی نہیں، امتی ہمارے علاوہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سادات کو امت محمدیہ سے خارج سمجھنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

ہم اس پر کوئی ذاتی رائے دینا نہیں چاہتے، البتہ جن نظریاتیوں کے یہ نظریات ہیں اپنی معلومات میں اضافے کی خاطر ان کے سامنے صرف تین سوال پیدا کر رہے ہیں کہ:

① امت کیا ہے اور امتی کیا؟
② اگر سادات امت محمدیہ میں سے نہیں تو پھر کیا ہیں
③ کیا کسی کا کسی امت سے ہونا ضروری ہے یا بعض کو استثنیٰ حاصل ہے؟

رسالہ کے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ خلقت تو حضرت آدمؑ کی ہوئی تھی، خلقت کے دو ہاتھ گواہ ہیں۔

محترم مُصنّف کا جملہ بالا ان کے عقیدے کی نبض کی بے اعتدالی کی خبر دے رہا ہے کہ وہ تفویض کے مُہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ علاج کی اشد ضرورت ہے۔ بروقت صحیح و مناسب علاج نہ ہوا تو ان کے اعتقادی کنبے کے یتیم ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔

مُصنّف کے خطرناک اقدام:

محترم جو خطرناک فصلیں آپ کاشت کر رہے ہیں ان میں اس تفریقی اور فسادی بیج کا اضافہ کس بنیاد پر کیا ہے کس مرشد کے فرمان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ لکھا ہے کہ سادات زمانے کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں...... یا آخر......

ہم دعویٰ کی حد تک کہتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں جتنا عزت و احترام سادات کرام کو دیا جاتا رہا، یا دیا جا رہا ہے دنیا کے کسی خطے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس گئے گزرے دور میں بھی لوگ سادات کو شاہ جی کے عظیم لقب سے یاد کرتے ہیں، خواہ ان میں سے کسی کا مستقل پیشہ گداگری ہی کیوں نہ ہو۔ گھٹنے کو ہاتھ لگا کر تعظیم کرنا، چارپائی پر سرہانے بٹھانا وغیرہ سادات اور غیر سادات میں ایسا تنازعہ پیدا کرنے کی مذموم کوششیں کس کے ایما پر ہیں؟

اگر سادات سے آپ کی مراد آلِ محمدؐ ہیں تو مقداد، ابوذر، سلمان، اور حذیفہ جیسے با کمال لوگوں پر نظر رکھیں اور آج ان شہداء کے خون کا بہاؤ دیکھیں جو گلی کوچوں اور سڑکوں پر ان کی راہ میں بہہ رہا ہے۔ آپ

باقی صفحہ ۴۰ پر

باب المتفرقات

کیا ہر انسان کے لیے قرآن پڑھنا ضروری ہے؟

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین اسلام آباد

جو لوگ مُسلمان نہیں وہ عام طور پر قرآن کو آسمانی کتاب نہیں مانتے، لہٰذا قرآن کا پڑھنا ضروری بھی نہیں سمجھتے۔ عملی زندگی میں اکثر مُسلمان بھی قرآن کریم کی تلاوت کو خاص اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر انسان کے لیے قرآن پڑھنا ضروری ہے؟ اس مقالہ میں الٰہیات، سیاسیات، عمرانیات، انسان شناسی، جہان شناسی، ادیان شناسی، اور اسلام شناسی کے منظر سے قرآن کریم کے مطالعہ کی ہر انسان کے لیے اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن اس مقالے کا مدعٰی یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ کی اہمیت اور افادیت کو فلسفہ دین کے منظر سے فقط دین سے انسان کی توقعات کے قالب میں مُنحصر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کا مطالعہ ان تمام جہات کے لحاظ سے ضروری ہونے کے علاوہ کئی ایسی جہات کے لحاظ سے بھی ضروری ہے جن کا ہم فہم اور توقع بھی نہیں رکھتے۔

قران کریم کے مطالعہ کی اہمیت

جو لوگ مُسلمان نہیں وہ تو عام طور پر قرآن کریم کا پڑھنا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ اس کی عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم کو نہ آسمانی کتاب مانتے ہیں اور نہ ہی بشری رہنمائی اور ہدایت کی کتاب مانتے ہیں۔ رہے مُسلمان تو وہ اگرچہ اجمالی طور پر قرآن کریم کا پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو ہدایت کی کتاب بھی مانتے ہیں لیکن عملی زندگی میں مُسلمانوں کی اکثریت بھی نہ تو قرآن کریم کی تلاوت کو خاص اہمیت دیتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم کے کلمات و آیات میں غور و خوض کرتی ہے، بلکہ اگر اظہار کی جرأت عطا ہو تو کئی مُسلمان بھی یہ سوال پوچھ لیں گے کہ کیا قرآن کا پڑھنا اور قرآنی آیات و کلمات میں غور و خوض ضروری ہے؟ اس مقالہ میں اسی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے اور مقالے کا دعوٰی یہ ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور قرآنی مطالب میں غور و خوض نہ فقط مُسلمانوں بلکہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر انسانوں کو قرآن کریم میں غور و خوض کی اہمیت کا پتا چل جائے تو نہ تنہا مُسلمان بلکہ غیر مُسلمان بھی قرآن کے مطالب کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ جو لوگ قرآن کریم نہیں پڑھتے یا پڑھتے بھی ہیں تو تنہا اخروی ثواب کی خاطر اور قرآنی تعلیمات میں غور و خوض کی اہمیت کا تفصیلی فہم نہیں رکھتے۔ اگر لوگوں کو قرآن کریم کے مطالعہ کہ اہمیت معلوم ہو جاتی تو یقیناً قرآن کریم کے کلمات و آیات میں تامل اور غور و

خوض کی زحمت اٹھاتے اور روزمرہ زندگی میں قرآنی کریم سے عملی رہنمائی حاصل کرتے۔ لہٰذا موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ذیل میں ہم قرآن کریم کے فہم اور اس کے مطالب میں غور وخوض کی اہمیت کے حوالے سے چند نکات بیان کرتے ہیں:

① قرآن کریم، کائنات کے خالق کا کلام ہے اور اس کی آیات میں خالق ہستی کی معرفت کا کامل ترین بیان ہے۔ لہٰذا عالم ہستی کے مبدأ (Origin) کی شناخت کی تمنا رکھنے والا کوئی بھی انسان، قرآن کریم کی آسمانی حیثیت پر ایمان رکھتا ہو یا اس کا منکر ہو، کسی صورت میں قرآنی آیات میں غور وخوض سے غنی نہیں ہے۔ کیونکہ کائنات کی نہائی حقیقت (Ultimate Reality) کا سب سے عالی بیان تنہا قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔ قرآن خالق کائنات کی معرفت کے بیان میں تمام زمینی اور آسمانی کتب پر فوقیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر توحید پرست انسان اور بالخصوص ایک ایسے انسان کے لیے جو قرآن کریم کی آسمانی اور وحیانی حیثیت پر یقین رکھتا ہے، اس کے لیے قرآنی آیات میں غور وخوض اس لیے ضروری ہے کہ قرآن خالق ہستی کا کلام ہے۔ اس کی آیات کی تلاوت اور ان میں غور وخوض (Divinity) کے ہر طالب علم کے لیے ضروری، خالق ومخلوق کے باہمی رابطے کا تنہا ذریعہ اور بندے کے لیے اپنے خالق کے ساتھ ہم کلامی کے مترادف ہے۔

قرآن کریم کی آیات کی تلاوت اور ان میں غور وخوض ایک سالک الی اللہ کے لیے اس قدر لذت بخش ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کے دوران خود کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر پاتے ہوئے تو یا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ کلام خود اسی پر نازل ہو رہا ہے۔ وہ جب کسی ایسی آیت پر پہنچتا ہے جس میں مومنین سے خطاب ہو تو "لبیک اللّٰھم لبیک" کہتا نظر آتا ہے۔ اور جب کسی عذاب کی آیت کی تلاوت کرتا ہے تو پناہ مانگتا نظر آتا ہے۔ پروردگارِ عالم قرآن کریم کے ایسے قاریوں کو اپنے ساتھ ہم کلامی کی لذت اور مقام عطا فرماتا ہے، قرآنی آیات میں غور وخوض انسان کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بنا دیتا ہے۔

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي (الاعراف:۱۴۴)

ترجمہ: "بے شک میں نے تمھیں لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ذریعے برگزیدہ فرمایا ہے"۔

خلاصہ یہ کہ جس نے کلام الٰہی سے تأمل کیا وہ خدا کا برگزیدہ بنا۔

۲ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی بھی دین و مذہب اور مکتب ومسلک کا ماننے والا انسان سعادت (Welfare) خیر (Good) خوشی (Pleasure) اور نجات (Salvation) کے نسخوں کی تلاش میں ہے۔ سعادت اور خوشی کی تلاش کسی خاص مسلک کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ لہٰذا کسی بھی انسان کو کسی متن میں خیر وسعادت، خوشی اور نجات کا نسخہ میسر ہونے کا امکان نظر آئے تو وہ اس متن کا مطالعہ ضروری سمجھتا ہے اور اس میں کافی غور وخوض کرتا ہے۔ انسانی سعادت اور خوش بختی کے جتنے نسخے بھی آج تک لکھے گئے ہیں لوگوں نے بلا تفریق

ملت و مذہب ان کے مطالعہ کو اہمیت دی ہے۔ ایسے میں قرآن کریم کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی تعلیمات سعادت بخش، مایۂ خیر و برکت، خوش بختی کا سرچشمہ اور انسان کو ہر بدبختی سے نجات عطا کرنے والی ہیں۔

③ قرآن کریم کی آیات میں تقریباً ۲۰۰ بار انسانی خیر و فلاح اور سعادت و شقاوت کے درست و نادرست معیار بیان ہوئے ہیں۔ قرآن میں انسانی معاشروں پر حاکم ابدی قوانین کا بیان ہے۔ ایسے قوانین کہ جن سے لاعلمی اور لاتعلقی، انسانی معاشروں پر حاکم ابدی اور پائیدار قوانین سے لاعلمی کے مساوی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی یہ چاہتا ہے کہ اسے انسانی خیر و سعادت اور خوش بختی و نجات کے ابدی قوانین سے آگہی حاصل ہو تو اس کے لیے مغرب و مشرق کے فلاسفرز اور دانشوروں کی تالیفات کے مطالعہ سے قرآن کریم کے مطالعہ کو زیادہ اہمیت دینا چاہیے۔ یقیناً قرآنی تعلیمات انسانی سعادت و شقاوت کے ابدی قوانین کا ایک عالی ترین بیان ہیں اور ان قوانین سے آگہی انسان کی دنیاوی بہتری اور اخروی سعادت و نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن کریم افراد کی خیر و سعادت کے بیان کے ساتھ ساتھ معاشروں کی سعادت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے۔

④ قرآن کریم امتوں اور تہذیبوں کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کامیاب معاشرتی زندگی کے ابدی اصول بتاتا ہے۔ قرآن کریم تہذیب حاضر کے ہر دلفریب مظہر کو انسانی تہذیب کا نمائندہ قرار نہیں دیتا۔ قرآن ایسی کئی تہذیبوں کا تذکرہ کرتا ہے جو انسانی تہذیبیں نہ تھیں۔ جب یہ تہذیبیں وجود میں آئیں تو انسان نابود ہو گیا۔ یہ جاننے کے لیے کہ کس تہذیب و تمدن میں انسانیت پروان چڑھتی ہے اور کونسی تہذیب انسانیت کی نابودی کا سبب بنتی ہے، قرآنی آیات و کلمات میں غور و خوض بہت ضروری ہے، بلکہ تہذیبوں کی جنگ کے موجودہ دور میں قرآن کریم کے مطالعہ کی اہمیت میں اس لیے بھی مزید اضافہ ہو گیا ہے کہ قرآن اس معرکہ میں فتح یابی کے بنیادی اصول بتاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کا مطالعہ نہ فقط ہر مسلمان کے لیے بلکہ ہر انسان کے لیے نہ فقط ہر عالم اور دینی اسکالر کے لیے، بلکہ ہر سیاستدان اور ڈپلومیٹ کے لیے نہ فقط خواص کے لیے بلکہ عوام کے ہر ہر فرد کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ حقیقی سعادت، فلاح، خوش بختی اور نجات سے ہمکنار ہو سکیں۔

⑤ ہر انسان ذاتی اور جبلی طور پر ایک پرسکون زندگی کا طلبگار ہے۔ ہر انسان فتنوں اور فساد سے بچنا چاہتا ہے۔ ہر شخص اطمینان قلب کی تلاش میں ہے۔ کون ہے جسے قلبی سکون گوارا نہ ہو؟ لیکن بدقسمتی سے ہر دور اور خصوصی طور پر موجودہ دور، انسانیت کے لیے فتنوں سے پُر دور ہے۔ یہ دور حقیقی معنوں میں ایک پُر آشوب دور ہے۔ سکونِ قلب کی دولت تو کسی کو میسر ہی نہیں ہے۔ عصر حاضر کا ایک بہت بڑا معنوی بحران، نفسیاتی دباؤ، اضطراب اور Depression ہے۔ بلڈ پریشر اور امراضِ قلب جیسی امراض میں غیر معمولی اضافہ مشینی دور

کی پیداوار ہے۔ عالمی سطح پر تہذیبوں کی جنگ، سیاسی بدنظمی، اقتصادی بحران ہر انسان کو متاثر کر رہے ہیں۔ ایسے میں بنی نوعِ بشر کے لیے قرآن کریم کی تعلیمات میں غور وخوض سکونِ قلب کا بہترین نسخہ ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات ہر مُضطرب دل کو سکون واطمینان مہیا کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد:۲۸)

ترجمہ: "جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔

⑥ قرآن کریم کی آیات میں تأمل انسانوں کو اجتماعی سطح پر بھی فتنوں سے نجات دلاتا ہے۔ بدقسمتی سے آج عالم اسلام کے اندر فرقوں اور مسلکوں کی جنگ نے مسلم امت کو جن فتنوں میں مبتلا کر دیا ہے ان فتنوں سے نجات کا تنہا راستہ قرآن کریم کی طرف رجوع، قرآن کریم کو حاکم ماننا اور قرآن کریم کی آیات وکلمات میں تأمل اور غور وخوض ہی ہے۔ کیونکہ جب اسلام کی فرقہ وارانہ تفسیریں ایک ایک حقیقت طلب مُسلمان پر حق و باطل کی تشخیص مُشکل بنا دیں تو قرآن کریم کی تعلیمات کی حق کو باطل سے جدا کرنے میں بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ چنانچہ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

.....فاذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن فانه شافع مشفع و ماحل مصدق و من جعله امامه قاده الی الجنة و من جعله خلفه ساقه الی النار و هو الدلیل یدل علی خیر سبیل ..... ینبح من عطب و یتخلص من نشب فان التفکر حیاة القلب البصیر کما یمشی المستنیر فی الظلمات بالنور (الکافی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹)

ترجمہ: یعنی: پس جب فتنے کالی رات کی تاریکیوں کی مانند تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لیں تو قرآن کی پناہ لو کہ قرآن ایسا شافع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا سفارش کرنے والا ہے جس کی سفارش کی تصدیق ہوتی ہے اور جس نے قرآن کو اپنا امام بنایا اور اس کے پیچھے چلا اسے قرآن جنت میں لے جائے گا اور جس نے قرآن پر سبقت لی قرآن اسے ہانکتا ہوا جہنم لے جائے گا اور قرآن بہترین راستے کی رہنمائی کرنے والی علامت ہے ......جو ہلاک ہو رہا ہو قرآن اسے نجات عطا کرتا ہے اور جو راہ نجات نہ پاتا ہو قرآن اسے چھٹکارا عطا کرتا ہے۔ یقیناً غور وخوض بصیر قلب کی حیات ہے جس طرح اندھیروں میں چلنے والا روشنی کی مدد سے چلتا ہے۔

⑦ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض روایات میں قرآن کریم کو ثقل اکبر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

الاکبر منهما کتاب الله، طرف بید الله تعالیٰ و طرف بایدیکم فتمسکوا به و لا تزلوا و تضلوا

ترجمہ: (ثقلین میں سے ثقل) اکبر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اور دوسرا تمھارے ہاتھوں میں ہے۔ پس اسے تھام لو کہ نہ لڑکھڑاؤ گے، نہ گمراہ ہو گے۔ (بحار الانوار جلد ۲۳ صفحہ ۱۰۹)

لہٰذا اس پُرآشوب دور اور اندھیر نگری میں جہاں ایک عام انسان کے لیے سکونِ قلب کی دولت میسر نہیں اور ایک مُسلمان کے لیے نہ سکونِ قلب ہے نہ حق وباطل کے درمیان تشخیص کا کوئی واضح معیار تو

ان حالات میں قرآن میں غور وخوض اور قرآن کے دامن میں پناہ لینا انسان کے لیے اس پریشان کن حالت سے نکلنے کا تنہا راستہ اور راہِ حل ہے۔

دین ومذہب اور مسلک ومکتب کی قید وبند سے نکل کر خالص انسانی بنیادوں پر ایک اور زاویے سے بھی قرآن کریم کی آیات میں غور وخوض ضروری ہے۔ انسان ایک معاشرتی موجود یا Social Being ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی میں رہنا اور سوسائٹیاں بنانا اس کا خاصا ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کوئی انسانی سوسائٹی کسی نظام کے بغیر نہیں چل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ عالمی سطح پر ہزاروں دانشور ایسی مباحث میں الجھے رہے ہیں جن کا مدار ومحور یہ ہے کہ تعلّق انسانی معاشروں کا نظم ونسق کیسے چلایا جائے۔ لیکن علم ودانش کی تاریخ میں عالمی سطح پر کئی بنیادی موضوعات پر فیصلہ کن نتائج حاصل کر لینے کے باوجود بدقسمتی سے علماء، فلاسفرز، دانشور اور سائنسدان انسانی معاشرے کے نظم ونسق اور نظام کے حوالے سے آج تک کوئی فیصلہ کن نظریہ کشف نہیں کر سکے۔

آج جغرافیا، بیالوجی، ریاضیات، فزیکس، کیمیا، اقتصادیات جیسے بیسیوں علوم میں بنیادی مسائل حل شدہ ہیں لیکن انسانی معاشرے کے نظم ونسق کے حوالے سے بعض بالکل بنیادی سوالات کا قطعی جواب نہیں دیا جا سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع کا براہِ راست انسان شناسی (Anthropology) سے گہرا تعلّق ہے جو کہ ایک انتہائی پیچیدہ موضوع ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک انسان شناسی کے باب میں علم و دانش کا قافلہ کسی آخری منزل پر نہیں پہنچ جاتا اور جب تک انسان شناسی کے باب میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر لی جاتی، انسانی سوسائٹی کے نظم ونسق کے باب میں بھی کوئی فیصلہ کن نظریہ نہیں دیا جا سکتا۔

لہٰذا انسانی معاشروں کا نظام چلانے کے لیے سیاست (Politics) کی بحث ہو یا اقتصادیات کی بحث، انسانی حقوق (Human Rights) کی بحث ہو یا تہذیب وتمدّن کی بحث، جرم وجنایت کا معاملہ ہو یا قضاوت اور عدالت کے امور، غرضیکہ کوئی بھی ایسی بحث جس کا موضوع انسان اور انسانی معاشرے کی تدبیر سے وابستہ ہے، اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی جب تک انسانی حدود، انسانی ماہیت یا دوسرے الفاظ میں انسان شناسی کی بحث میں کوئی حتمی رائے سامنے نہ آجائے، اس لیے کہ ان مباحث میں یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ انسان کی ماہیت کیا ہے؟ انسانیت کی حدود کیا ہیں؟ وہ کونسی حد ہے جس کے اندر رہتے ہوئے لوگ انسان کہلاتے ہیں اور ان پر ایک طرف انسانی فرائض لاگو ہوتے ہیں اور دوسری طرف وہ انسانی حقوق کے مستحق قرار پاتے ہیں؟ اور وہ کونسی حد ہے جس سے عبور کرنے پر لوگ انسانی حدود سے گر جاتے ہیں اور پھر ان سے نہ انسانی فرائض کی ادائیگی کی توقع رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ انسانی حقوق کے مستحق ٹھہرتے ہیں؟

نتیجہ یہ کہ انسانی معاشرے کی تدبیر میں کوئی حتمی فیصلہ یا کوئی عالمی نظام اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک انسانی ماہیت کی کوکھ تک رسائی حاصل نہ کر لی جائے۔

باقی آئندہ

بتولِ باش پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوشِ شبیرؑ ے بگیری

مملکت خداداد پاکستان جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی، اس کا معاشرہ تاحال اسلامی خطوط پر استوار نہ ہو پایا۔ تمام شعبہ ہائے زندگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی معاشرہ اسلام کی بجائے مغربی ممالک کی طرز پر رواں دواں ہے۔ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا رواج عام ہوگیا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین کے لیے نامحرم مردوں سے پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور زیب و زینت کر کے سربازار جانے سے روکا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں خواتین کی عزت اور احترام ہے۔

مغرب کی عورت اس وقت ذلت و رسوائی کی تصویر پیش کر رہی ہے۔ اس آزادی نسواں نے بہت سی برائیوں اور خرابیوں کو جنم دیا ہے۔

پاکستان کی خواتین ان کی دیکھا دیکھی اسلامی احکام کو فراموش کر چکی ہیں اور اپنے محبوب رہنماؤں کی سیرت کو بھلا دیا ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ کو سورۃ احزاب میں حکم فرمایا کہ: "اپنی بیویوں اور بیٹیوں مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنی چادروں سے گھونگٹ ڈال لیا کریں"۔

ایک بار حضرت رسولِ خداؐ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ: بتاؤ عورت کی زینت کیا ہے؟ تو کسی نے کوئی جواب دیا اور کسی نے اور جواب دیا۔ آنحضرتؐ کو کوئی جواب پسند نہ آیا، یہ بات حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو پتا چلی تو انھوں نے کہا: "عورت کی زینت یہ ہے کہ کسی نامحرم کی نگاہ اس پر نہ پڑے اور اس کی نگاہ کسی نامحرم پر نہ پڑے"۔

حضرت علی مرتضیٰؑ نے حضرت امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "پوری کوشش کرو کہ تمھاری بیبیاں تمھارے سوا کسی اور مرد کو نہ دیکھیں"۔

آج کل اخبارات کا مطالعہ کرنے سے دکھ بھرے واقعات سامنے آتے ہیں، خواتین کی عصمت لٹنے کی خبروں کو شہ سرخیوں سے شائع کیا جاتا ہے۔ خواتین کی عصمت ریزی کے ان واقعات کے اسباب بے پردگی اور آوارگی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" کہ زنا کے قریب نہ جاؤ" زنا کے قریب نہ جانے کا مقصد یہ ہے کہ زنا کے اسباب پیدا نہ کرو۔ زنا کا پہلا سبب بے پردگی ہے، دوسرا سبب

باقی صفحہ ۹ پر

مفتی صاحب موصوف ۱۳۱۰ھ سے لے کر ۱۳۴۶ھ تک پورے ۳۶ سال دار العلوم دیوبند میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز رہے ہیں، جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی سابق صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے فقہ اسلامی کی تاریخ، تدوین اور تجدید کے موضوع پر بارہ دروس کا مجموعہ "محاضراتِ فقہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ موصوف اس کے صفحہ ۵۵۴ پر رقمطراز ہیں کہ:

"حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا انکار کرنے والے اور حضرت عمر فاروق کی خلافت کا انکار کرنے والے پہلی صدی میں بھی بہت تھے لیکن کسی نے ان کو کافر نہیں کہا، کسی کی خلافت کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ جس چیز کے انکار سے آدمی کافر ہوتا ہے وہ قرآن وسنت ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں آیا کہ اے مُسلمانو! ابوبکر اور عمر کو خلیفہ مانو"۔ (کذا فی مجموعة الفتاویٰ لمولانا عبد الحی لکھنوی وغیرہم)

علاوہ بریں شہاب الدین احمد خفاجی المتوفی ۸۹۹ھ لکھتے ہیں:

ان من انکر خلافة ابی بکر یبدع ولا یکفر

"جو شخص ابوبکر کی خلافت کا انکار کرے وہ بدعتی ہوگا کافر نہیں ہوگا"۔

(نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض جلد ۳، صفحہ ۴۷۴ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ قسطنطنیہ ۱۳۱۵ سنہ ھ)

اسی طرح ابو حامد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ نے بڑی صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ ابوبکر وعمر وغیرہ کی خلافت کے انکار سے کوئی مُسلمان کافر نہیں ہوجاتا اس سلسلے میں انہوں نے پہلے ایک اعتراض قائم کیا ہے کہ:

فان قیل هلا کفرتموهم بقولهم ان مستحق الامامة فی الصدر الاول کان علیًا دون ابی بکر وعمر من بعده وانه دفع بالباطل وفی ذلك خرق لاجماع اهل الدین؟

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم انہیں کافر کیوں نہیں گردانتے جبکہ ان کا کہنا ہے کہ صدر اول میں حضرت علیؑ ہی خلافت وامامت کے حقدار تھے نہ کہ ابوبکر وعمر اور ان کے بعد والے اور انہیں (حضرت علیؑ کو) باطل طریقے سے ہٹایا گیا۔ یہ تو اہل دین کے اجماع کا خرق (اجماع کا توڑنا) ہے؟"

بعد ازاں خود ہی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

قلنا لا ننکر ما فیه من القعوم علیٰ خرق الاجماع ولذلك ترقینا من التخطیئة المجردة التی نطلقها ونقتصر علیها فی

الفروع فی بعض المسائل الی التضلیل والتفسیق والتبدیع ولکن لا تنتہی الی التکفیر فلم یَبِنَ لنا ان خارق الاجماع کافر بل الخلاف قائم بین المسلمین فی ان الحجۃ ھل تقوم بمجرد الاجماع وقد ذھب النظام وطائفتہ الی انکار الاجماع وانہ لا تقوم بہ حجۃ اصلا فمن التبس علیہ ھذا الامر لم نکفر بسببہ

"ہم کہتے ہیں کہ ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ نقض اجماع میں (یہ) بلا سوچا سمجھا معاملہ ہے اسی وجہ سے ہم نے محض غلطی سے بڑھ کر اسے ضلالت ،فسق اور بدعت قرار دیا ہے لیکن (نقض اجماع) تکفیر کی حد تک جاتا، خارق اجماع کا کفر ہمارے لئے واضح نہیں ہے بلکہ مُسلمانوں میں اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا محض اجماع سے دلیل قائم کی جا سکتی ہے؟ نظام اور ان کا گروہ مُطلقاً اجماع کا منکر ہے اور (اس بات کا قائل ہے کہ) اجماع کے ساتھ اصلاً دلیل قائم نہیں کی جا سکتی ۔پس جس پر یہ معاملہ مُشتبہ ہو ہم اسے اس سبب سے کافر قرار نہیں دیتے" (فضائح الباطنیہ الباب الثامن صفحہ ۱۴۸، ۱۴۷، طبع مکتبہ عربیہ قاہرہ ۱۹۶۴ء)

اس سلسلے میں مزید تحقیق کے لیے "غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی" صفحہ ۴۸۰ مطبعہ محمدی لاہور ۱۳۱۰ سنہ اور ردالمحتار معروف فتاوی شامی لابن عابدین جلد ۶ صفحہ ۴۱۴ طبع دیوبند ملاحظہ فرمائیے۔

مزید برآں اس فتوے کی لپیٹ میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ الزہراءؑ، تمام بنو ہاشم، حضرت سعد بن عبادہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ بھی آتے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہ تو فتویٰ ہے مفتی اول حضرت مولانا عزیز الرحمن عُثمانی مفتی اعظم دیوبند اور دیگر محققین کا۔

یہ بات ناقابل فہم ہے کہ صرف شیخین کی خلافت کے منکر کو کافر کیوں قرار دیا جا رہا ہے؟ دیگر خلفاء کی خلافت میں کون سی کمزوری ہے جس کی بنا پر انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے جبکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ صرف شیخین کی خلافت کا اقرار اور حضرت علی المرتضیٰؑ، حضرت عُثمان کی خلافت کا انکار خوارج کا نظریہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر کافر ہے۔ مگر شیخین کی خلافت کے انکار تک ہی محدود کیوں؟

اب امام ابو حنیفہ کی "فقہ اکبر" کی شرح کرتے ہوئے مُلا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی بات گوش ہوش سے سنیے اور مُسلمانوں میں فساد وافتراق کے شعلے بھڑکا کر یہودی امریکی واسرائیلی عزائم کو تقویت دینے کا سبب نہ بنئے۔ مُلا علی قاری لکھتے ہیں:

ثم فی بسط الامام الکلام فی نفی تکفیر ارباب الآثام من اھل القبلۃ ولو من اھل البدعۃ دلالۃ علی ان سبّ الشیخین لیس بکفر کما صحہ ابوشکور السلمی فی تمھیدہ وذلک لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقق معناہ فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت، وحینئذ یستوی الشیخان وغیرھما فی ھذا الحکم ولانہ لو فرض ان احداً قتل الشیخین بل و الختنین بوصف الجمع لا یخرج عن کونہ مسلماً عند اھل السنۃ والجماعۃ ومن المعلوم ان السبّ

دون القتل نعم لو استحل السبّ او القتل فهو کافر لا محالۃ وعلی تقدیر ثبوت الحدیث فیجب ان یأوّل کما اُوِّل حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر

پھر شرح عقائد نسفی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وھذا تصریح من العلامۃ ان سبّ الشیخین لیس بکفر عند العامۃ

"اہل قبلہ گناہگاروں سے تکفیر کی نفی کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ نے جو کچھ فرمایا، اس کی تشریح سے خواہ اہل بدعت گناہگار ہی کیوں نہ ہو۔ یہ دلالت ملتی ہے کہ شیخین کو سب" وشتم کرنا کفر نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوشکور سلمی نے اپنی تمہید میں اس موقف کی تصحیح کی ہے۔ یہ فیصلہ وفتویٰ اس لیے ہے کہ اس (کفر) کی وجہ ثابت نہیں ہوتی نہ ہی اس کا معنی متحقق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مُسلمان کو گالیاں دینا فسق ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ اس لحاظ سے شیخین اور کوئی دوسرا شخص اس حکم میں برابر ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی شخص نے شیخین بلکہ چاروں خلفاء کو قتل کیا ہے تب بھی وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا (بلکہ مُسلمان ہی رہے گا) یہ بات طے شدہ ہے کہ گالیاں دینا قتل سے کمتر ہے، ہاں اگر سبّ یا قتل کو حلال جانے تو وہ لازماً کافر ہوگا۔ اگر فرض کیا جائے کہ حدیث صحیح ہے تو واجب ہے کہ اس کی تاویل کی جائے جس طرح حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی وہ کافر ہوگیا) کی تاویل کی جاتی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی عبارت کا ترجمہ:

یہ علامہ کی جانب سے تصریح ہے کہ شیخین کو سبّ کرنا اہل سنت (علماء) کے نزدیک کفر نہیں ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص۸۶، مطبع حنفی دہلی ۱۲۶۹ھ)

خیر اس موضوع پر عقائد و کلام کی کتب اسی طرح کی عبارات سے مملو ہیں۔ یہ ایک حوالہ مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر نقل کیا گیا ہے ورنہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مفتی محمد شفیع، فتاویٰ حقانیہ اکوڑہ خٹک، فتاویٰ فریدیہ مفتی محمد فرید وغیرہ میں بھی یہی بات تحریر ہے۔

ملا علی قاری نے ایک تفصیلی کتاب لکھی جس کا نام "شم العوارض" ہے اور بعد ازاں اس کا خلاصہ "سلالۃ الرسالۃ" کے نام سے لکھا ہے۔ یہ دونوں کتابیں "عمان اردن" سے چھپ چکی ہیں، جو راقم السطور کے ذخیرہ کتب میں موجود ہیں۔ ملا علی قاری اس کی تلخیص "سلالۃ الرسالۃ" میں لکھتے ہیں؛

وثانیاً: ان سبّ الشیخین لیس کفراً بالکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس

"دوسری بات یہ ہے کہ شیخین کو سبّ کرنا قرآن سنّت، اجماع اور قیاس کے مطابق کفر نہیں ہے۔ کتاب اللہ سے اس کا ثبوت یہ دیا ہے"۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک لمن یشاء

"بے شک اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر کمتر گناہ کو جسے چاہے بخش دے گا"۔

اکابر حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حدیث: سبّ اصحابی ذنب لا یغفر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم

پر جھوٹ باندھا گیا ہے پھر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

سنت سے استدلال اس طرح ہے کہ تقریباً متواتر حدیث میں ہے کہ مُسلمان کو گالیاں دینا فسق اور اس سے قتال کفر ہے۔

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے ابوداؤد، حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے کہ ایک دن ابوبکر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر سے سخت وست باتیں کیں۔ انہوں نے اس شخص کو جواب دیا۔

ابو برزہ نے کہا: اے خلیفہ رسول! اس شخص نے آپ کو گالیاں دی ہیں مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن ماردوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا: یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

انہی دلائل میں سے ایک دلیل عمر بن عبد العزیز کا وہ خط ہے جو انہوں نے کوفہ کے گورنر کو لکھا جس میں گورنر نے ایک ایسے شخص کے قتل کا مشورہ لیا تھا جس نے حضرت عمرؓ کو گالیاں دی تھیں، عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا کہ:

کسی مُسلمان کا قتل جائز نہیں ہے، مگر صرف اس شخص کو قتل کرنا جائز ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی ہوں اس لئے کہ وہ اپنے دین سے خارج ہو گیا ہے۔ (مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا)

اجماع کی تفصیل یہ ہے:

فلم یرد عن الصحابة و لا عن التابعین ان من سب الشیخین کفر و لا ثبت عنھم قتل من سبّھما وقد اتفق الائمة الثلاثة علی عدم کفرہ وقتلہ و صح عن ابی حنیفة و ابی یوسف ان شھادة اھل الاھواء من الخوارج والروافض مقبولة الا الخطابیة

صحابہ اور تابعین میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہوا کہ جس نے شیخین (ابوبکر وعمر) کو گالی دی وہ کافر ہو گیا، نہ ہی ان سے شیخین کو گالیاں دینے والے کو قتل کرنا ثابت ہے۔ تینوں امام (ابوحنیفہ، ابویوسف اور محمد بن حسن) ایسے شخص کے عدم کفر اور عدم قتل پر متفق ہیں۔ ابوحنیفہ اور ابویوسف سے صحیح ثابت ہے کہ اہل اہواء یعنی خوارج اور روافض کی گواہی قبول ہو گی، ہاں خطابیہ کی گواہی قبول نہیں ہو گی۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ محققین کے نزدیک شیخین کو گالیاں دینا کفر نہیں ہے، نہ ہی گالیاں دینے والا کافر و مرتد اور واجب القتل ہے، کفر و قتل کے فتوے متشدد، انتہا پسند، کم فہم غیر محقق مولویوں کی بے دلیل ذاتی آراء اسلام کا حصہ نہیں ہیں۔

جہالت کا ثبوت

سلفی صاحب کو اس بات پر اصرار ہے کہ ردِ رفض پر کام کرنے کے لیے علماء اہل سنت نے قلم اُٹھانا چاہا، کتابوں کی عدم دستیابی آڑے آگئی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی "ہدیۃ الشیعہ" کا ابتدائیہ پڑھ لیجیے آپؒ نے لکھا ہے کہ: "کتب شیعہ ہاتھ نہ آسکیں، آخر کار "تحفہ اثنا عشریہ" میں لکھے گئے شیعی عقائد کا عقلی و نقلی

انداز میں رد لکھا گیا ہے"۔

اگر ایسا ہی ہے کہ شیعوں کے خلاف لکھنے والے آپ کے علماء نے کتب شیعہ دیکھے اور پڑھے بغیر شیعہ کے خلاف جو کتب لکھ ڈالیں از روئے انصاف بتائیے کہ علمی دنیا میں ان کتب کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟ جس مسلک کے بارے میں علم ہی نہ ہو، اس سے متعلق رائے زنی خود جہالت کا ثبوت ہے۔ اصول یہ ہے کہ اس مذہب کی کتب کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے، بعدازاں اُس مسلک کے جمہور کے نظریات و مُعتقدات کو غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھا جائے پھر اس مسلک کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کیا جائے گا۔ اگر سلفی صاحب کے علماء کے پاس شیعہ کتابیں نہیں تھیں توکتب شیعہ پڑھے بغیر ان کے خلاف نظریہ قائم کرلینا عدل وانصاف کا قتل نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا ان علما کا یہ اقدام سراسر تعدی وظلم ہے۔

اہل سنت اور اہل تشیّع میں

نازک مسائل میں اختلاف

یہ نازک مسائل خود بنائے گئے اور خود نزاکت اور حساسیت پیدا کی گئی تاکہ امت مُسلمہ متحد و متفق نہ رہ سکے۔ مفاد پرست حکمرانوں نے کم علم مفتیان کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا اور شیعہ پر فتوے جاری کرائے، تاہم جب مناسب معلوم ہوا اہل سنت میں بھی باہم قتل وخونریزی، فتنہ وفساد کی آگ بھڑکادی۔ ان کا مقصد ہمیشہ اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل رہا ہے۔

سلفی صاحب کا اعتراف کہ شیعہ وسنی اختلاف کی بنیاد مقدس شخصیات نہیں بلکہ مسئلہ امامت ہے:

سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ "تاہم شیعہ وسنی اِختلاف کی بنیاد مقدس شخصیات نہیں ہیں بلکہ مسئلہ امامت ہے۔ اسلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد تصور خلافت دیا ہے اور اہل تشیّع نے اس کے مقابل عقیدہ امامت کا خودساختہ نظریہ پیش کیا۔ یہی وہ اصولی اختلاف تھا جس کی بنا پر اہل اسلام اور اہل تشیّع کی راہیں جدا جدا ہوگئیں اور اس کے بعد شیعیت میں جتنا بگاڑ آیا ہے وہ اسی عقیدہ امامت کی وجہ سے آیا ہے"۔

اگر سلفی صاحب وسعت نظر سے اسلامی ذخیرہ کتب کا مطالعہ کرلیتے کہ تمام امت اسلامیہ کے بگاڑ اور فساد کی بنیاد یہی خودساختہ خلافت کا مسئلہ ہے۔ جس میں انتخاب کا اختیار امت کو دے دیا گیا۔ اس نظریے نے امت کو ہمیشہ کے لئے باندھ کر رکھ دیا۔ یہی سیڑھی استعمال کرکے اموی' عباسی، عُثمانی وغیرہ تخت بادشاہی پر قابض ہوئے۔ ان کے خاندانوں اور عوام کے مابین جو کشت وخون حصولِ خلافت کی بنیاد پر ہوا اتنا کسی اور سبب سے نہیں ہوا۔ بالآخر عُثمانی خلافت کے خاتمے کے بعد یورپی اقوام عیسائیوں اور یہودیوں کا غلام بننا اسی اختیارِ خلافت کے سبب سے ہوا۔ موجودہ زبوں حالی' پسماندگی اور ذلت وخواری سب کے سامنے ہے۔ اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماسوئے ایران کے آج پورا عالم اسلام، امریکہ کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی

باقی صفحہ ۳۸ پر

باب الاعمال

گناہانِ کبیرہ کا اِرتکاب اور گناہانِ صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔ اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت ایسا ہو جائے تو فوراً توبۃ النصوح کرلے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ تمام شرائط امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول شدہ حدیث شریف کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں۔ فرماتے ہیں:

اما من کان من الفقھاء صائناً لنفسہ، حافظاً لدینہ مخالفاً لھواہ، مطیعاً لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ.

یعنی فقہاء میں سے جو شخص اپنے نفس کو بچانے والا، اپنے دین کی حفاظت کرنے والا، اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو۔ عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ (احتجاج طبرسی وغیرہ) ایسے ہی شخص کو "مجتہد جامع الشرائط" کہا جاتا ہے۔

وذالك لا یکون الابعض فقھاء الشیعة لا کلھم کما لا یخفیٰ

باب العقائد

لے جائیں گی؟" آنکھیں دیکھتی تھیں مگر ان لفظوں کے سوا کچھ دکھائی نہ پڑتا تھا۔ کان سنتے تھے مگر یہی ایک فقرہ میری نیند اُچاٹ ہوگئی۔ اور کھانا پینا چھوٹ گیا۔ عجب حالت تھی۔ دل مین خوف، جسم کو لرزہ، زبان خاموش، اور دماغ میں اسی ایک فقرہ کی صدائے بازگشت۔ "لیکن اگر میں صادق القول ہوں تو تمھاری آزادیاں تمھیں آئندہ کہاں لے جائیں گی؟"...... آٹھ دس روز تک میری یہی حالت رہی۔ اور میں یہ لکھتے ہوئے آج بھی بے انداز خوشی اور سرور محسوس کرتا ہوں کہ بطفیل چہاردہ معصومینؑ آخر میں دل و دماغ نے وہ سوال حل کر لیا، جو سالہا سال تک میرے لیے ایک مُعمہ رہا تھا۔

(رسالہ میں شیعہ کیوں ہوا؟ از حلمی)

سچ ہے:

مَا یُخرَجُ مِنَ القَلبِ یَقَعُ فِی القَلبِ

یعنی ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

بقیہ تحقیق کے چراغ

صنعتی غلام اور اڈا بن چکا ہے۔ ایران کے انقلاب کے فوراً بعد شیعہ کے خلاف فتویٰ بازی کی مہم کو مہمیز دینا بھی اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

رہا مسئلہ امامت تو اس کے متعلق امت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبی مکرمؐ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے اور امامت کا سلسلہ ختمِ نبوت پر واحد ناقابل تردید دلیل ہے آپؐ کے بعد امام کا ہونا واجب ہے جو شرعی احکام نافذ کرے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لے کر انصاف فراہم کرے، ظالم کو ظلم سے باز رکھے تاکہ عوام نیکی کے زیادہ قریب اور فساد و شر سے زیادہ دور رہیں۔ امامت کا موضوع ایک مستقل بحث کا متحمل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

☆ معلوم ہوا ہے کہ میانوالی محلّہ ہاشم کی بزرگ شخصیت جناب سید ملازم حُسین شاہ وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبرو اجر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (ادارہ)

☆ آہ جناب سید اعجاز حسین شاہ کاظمی ...... ہم نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر غم سنی ہے کہ جناب سید اعجاز حسین شاہ کاظمی (جو جناب الحاج سید اشتیاق حسین کاظمی آف بری یزد مانچسٹر برطانیہ کے بڑے بھائی تھے) کراچی میں وفات پاگئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔ (ادارہ)

☆ حجۃ الاسلام مولانا غلام محمد قمی پرنسپل جامعہ مُرتضویہ وہاڑی حرکت قلب بند ہونے سے وفات پاگئے ہیں۔ مرحوم نہایت مخلص، نڈر، اور باعمل شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی وفات سے قوم ایک پرہیزگار عالم دین سے محروم ہوگئی ہے۔ جنوبی پنجاب میں ان کی دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ رانا محمد بخش آف ریٹائرڈ ضلع سرگودھا رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ مرحوم بے لوث خادم مسجد اور موذن تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ (ادارہ)

☆ سید اصغر علی شاہ آف اجنالہ حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے ہیں۔ مرحوم پابند صوم و صلوٰۃ، شریف النفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

☆ رانا **ظفر علی** آف مانگووال سے سرگودھا وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ مولوی نور محمد آف چک ۹۲ ضلع سرگودھا رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس کے سابق طالب علم مولوی صابر حسین کے والد محترم تحصیل منکیرہ ضلع بھکر میں انتقال کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے۔

☆ مولانا جیدار حسین نزیل نجفِ اشرف عراق کے والد محترم ماسٹر خادم حسین رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ ہم ہیں سچوں کے ساتھ

کے پریشان خوابوں اور بے جوڑ خیالوں میں ابوسفیان اور مروان جیسے بدکردار بس رہے ہیں تو ان خوابوں کی تعبیر یہی ہے جو آپ کو نظر آ رہی ہے۔

بصد معذرت عرض کریں گے کہ ایسا بے ہودہ اور نفرت آمیز کلمہ لکھ کر آپ نے احسان فراموشی اور نہایت پست ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ احساس کمتری کا شکار ہیں، یا اپنے زعم باطل میں سید ہونے کے ناطے اپنے آپ کو نوری مخلوق سمجھتے ہیں۔ بہرصورت ایسا شرانگیز اور نفرت آمیز قدم اٹھانے سے آئندہ پرہیز فرمائیں۔ کیونکہ آپ جیسے کاشتکار قبل ازیں کافی خاردار جڑی بوٹیاں کاشت کر چکے ہیں جن سے مکتب تشیع کے پاؤں لہولہان ہیں۔

باقی آئندہ

بقیہ باب المسائل

مستحبات و اذکار وغیرہ سب توقیفی ہیں۔ اپنی طرف سے نہ کوئی چیز بڑھائی جا سکتی ہے اور نہ گھٹائی جا سکتی ہے۔ بنابریں ظاہر ہے کہ تشہد میں شہادت اولیٰ اور ثانیہ منصوص ہیں۔

سوال نمبر ۸: اگر کسی شخص کا نکاح ہوا ہو اور رخصتی نہ ہوئی ہو اور وہ اپنی منکوحہ سے مقاربت کر لے اور وہ حاملہ ہو جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! نکاح کے بعد شرعاً مباشرت کرنا جائز ہے۔

سوال نمبر ۹: اگر کسی کا نکاح ہوا ہو اور اچانک رخصتی کر لی جائے اور اس جلدی کی کوئی وجہ نہ ہو سوائے اس کے کہ زوجین میں سے ایک یا دونوں ایسا چاہیں تو کیا اس میں کسی قسم کی کوئی شرعی قباحت ہے؟ اور اس بات کو غیر اخلاقی کہنا کیا درست ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ حالات اور مرضی پر منحصر ہے۔ طرفین جب چاہیں ایسا کر سکتے ہیں۔

Registered No. (G) H.C/722

اسوہ کالج اسلام آباد

فیڈرل بورڈ میں شاندار نتائج کا حامل
کیڈٹ کالج کی طرز کا
ایک مکمل اقامتی ادارہ

داخلہ برائے ساتویں جماعت

☆ چھٹی جماعت پاس (ساتویں جماعت کے لیے) اور ساتویں جماعت پاس (آٹھویں جماعت کے لیے) یا ادارے کے سربراہ کی طرف سے ہوپ سرٹیفکیٹ ☆ عمر یکم اپریل 2014 کو 11 سے 13 سال تک (ساتویں جماعت کے لیے) اور 12 سے 14 سال تک (آٹھویں جماعت کے لیے) طبی لحاظ سے صحت مند

انٹری ٹیسٹ انٹرویو اور طبی معائنہ

☆ تحریری امتحان، ریاضی، انگلش، سائنس اور اردو (انشاءاللہ) بتاریخ 23 مارچ 2014 صبح 9:00 بجے بمقام اسوہ کالج اسلام آباد، اسوہ پبلک سکول سکردو، العصر پبلک سکول گلگت اور اسوہ پبلک سکول پارہ چنار میں منعقد ہوگا ☆ امیدواران کی مناسب تعداد ہونے پر لاہور اور ملتان میں بھی امتحانی مرکز بنایا جاسکتا ہے ☆ داخلہ ٹیسٹ میں کامیابی کے لیے مجموعی طور پر 60% نمبر لینا ضروری ہے ☆ ٹیسٹ میں کامیابی کے بعد انٹرویو اور طبی معائنہ ہوگا ☆ کالج پراسپیکٹس داخلہ فارم اور نمونہ کے امتحانی پرچہ جات اسوہ کالج اسلام آباد متعلقہ امتحانی سینٹر، اسوہ ڈائریکٹوریٹ نزد جامعہ اہل بیت اسلام آباد، الصادق لائبریری اسلام آباد اور الفلاح ویلفیئر ٹرسٹ قومی مرکز 15 شاہ جمال لاہور سے مبلغ 200 روپے کے عوض 15 جنوری 2014 سے حاصل کیے جاسکتے ہیں یا کالج ویب سائٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کیے جاسکتے ہیں ☆ داخلہ فارم بمعہ انٹری فیس مبلغ 800 روپے (ناقابل واپسی) کے جمع کرانے کی آخری تاریخ 15 مارچ 2014 ہے۔

اُسوہ کالج کا اعزاز

فیڈرل بورڈ میٹرک 2013 امتحانات میں 837 اداروں میں 3rd پوزیشن

نوٹ: آٹھویں جماعت کی محدود نشستوں کے لیے بھی فارم وصول کیے جائیں گے۔.... ہونہار طلباء کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں

F.Sc کے بعد کالج سے پاس آؤٹ ہونے والے پانچ بیچز کے 250 طلباء کی ملک کے نمایاں پیشہ وارانہ اداروں میں اب تک کی داخلہ کی تفصیل

شعبہ	انجینئرنگ	میڈیکل	چارٹرڈ اکاؤنٹنسی	مسلح افواج میں کمیشن	بائیوٹیکنالوجی/فارمیسی	ڈی وی ایم	بی ایس (آنرز)	بی اے/بی ایس سی	میزان
تعداد	107	25	4	9	13	6	4	21	189

Matric Results in FBISE Exams 2013

Appeared	A-1	A	B	c	Absent	GPA	Position in Board
60	58	02				5.97	3rd Among 837

سیف علی ایجوکیشنل کمپلیکس جاپان روڈ سہالہ اسلام آباد

فون نمبر: 051-4486267, 051-4485611 Fax-051- 4486268
0333-5278314, 03129955725, 0300-5205900

ای میل: Uswacillege@ gmail.com
ویب سائٹ: www.uswacollege.esu.pk